رمضان المبارک ۔ ذوالقعدہ ۱۴۳۵ھ

جولائی ۔ ستمبر ۲۰۱۴ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

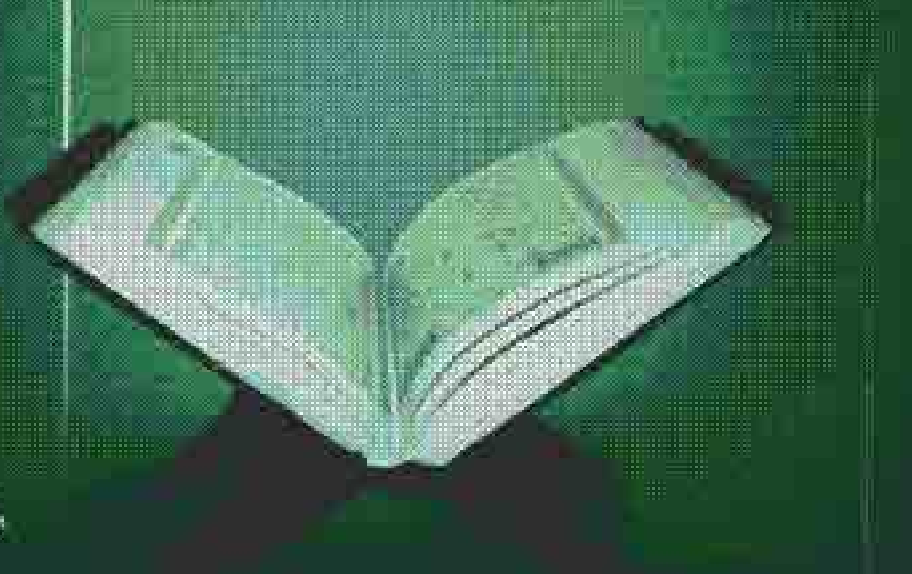

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیِ رجوع الی القرآن و بانی تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن

(نواں ایڈیشن) ــــــــــ صفحات: 360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ

(چھٹا ایڈیشن) ــــــــــ صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ

(پانچواں ایڈیشن) ــــــــــ صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سورۃ یونس تا سورۃ الکہف

(چوتھا ایڈیشن) ــــــــــ صفحات 394، قیمت 475 روپے

حصہ پنجم سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ

(تیسرا ایڈیشن) ــــــــــ صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات

(پہلا ایڈیشن) ــــــــــ صفحات 484، قیمت 590 روپے

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

A-18 عامر سینٹر، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

جلد ۳۳ شمارہ ۳

رمضان المبارک ۔ ذوالقعدہ ۱۴۳۵ھ جولائی ۔ ستمبر ۲۰۱۴ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ـــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر ۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے مطبوعات

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۔ فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون : 200 روپے ۔ فی شمارہ: 50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

اُمتِ مسلمہ پر استعمار اور صہیونیت کا مشترک حملہ	حافظ عاطف وحید	3

تذکّر و تدبّر

الفاتحہ اور قرآن کی سورتوں کا باہمی تعلق	ڈاکٹر صہیب حسن	9

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید‘ مع صرفی و نحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	15

حکمتِ نبویؐ

رسول اللہ ﷺ کی اپنی اُمت سے محبت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	33

دین و سیاست

کتنی سُرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار!	اویس پاشا قرنی	37

علومِ حدیث

معرفتِ حدیث کے بنیادی علوم	ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی	41

توضیح و تنقیح

نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج پر شبہات کا تحقیقی جائزہ	الشیخ محمد علی الصابونی	53

فکر و نظر

فقہ اسلامی اور مستشرقین (۷)	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	67

کتاب نما

تعارف و تبصرہ	ادارہ	79

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمتِ مُسلمہ پر استعمار اور صہیونیت کا مشترک حملہ

اُمتِ مُسلمہ کا موجودہ منظر نامہ تہہ در تہہ انتشار اور اضمحلال کی تصویر ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں مذہبی اور سیاسی کشمکش اس درجہ دگر گوں ہو چکی ہے کہ بعض مبصرین اس اندیشے کا اظہار کر رہے ہیں کہ خلافتِ عباسیہ کے بعد قائم ہونے والی فاطمی حکومت ایک مرتبہ پھر مشرقِ وسطیٰ میں اپنا سیاسی اور استبدادی تسلّط قائم کرنے کی پوزیشن میں نظر آ رہی ہے۔ یہ صورتِ حال پورے خطے کی سنی آبادی کے لیے کسی خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں ہے۔ مصر میں الاخوان المسلمون کی سیاسی جدوجہد نتیجہ خیز ہوئی تو ملک کی سیکولر مغرب نواز قوتوں نے فوجی جبر وتشدد کے ذریعے ایک منتخب اسلام پسند اور قرآن وسنت کی حکمرانی کی دعویدار حکومت کو فوجی انقلاب کے ذریعے ختم کر کے سیاسی جدوجہد کے راستے سے اسلام کی سربلندی کا خواب دیکھنے والوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور ایک طویل مدت کے لیے نا امیدی کے سائبان تان دیے۔ اس حادثہ فاجعہ سے بھی بڑا سانحہ یہ ہوا کہ مصر کے فوجی انقلاب کی حمایت اور اس کے معاونین کی فہرست میں سعودی حکومت سرخیل کی صورت میں سامنے آئی اور نتیجتاً دنیا بھر کی اسلامی تحریکات کی توقعات اور امیدوں کا فکری تانا بانا منتشر ہو کر رہ گیا۔

سعودی عرب کے حکمران طبقے کے اس کردار کے حوالے سے اُن اصحابِ دانش کی رائے میں وزن نظر آتا ہے جو سعودی حکمرانوں کے موجودہ طرزِ عمل کو آلِ سعود کی جانب سے برطانوی مفادات کی عالمی سطح پر حمایت کرنے کے بدلے میں آلِ سعود کی نسل در نسل حکمرانی کے حق کو برقرار رکھنے کے معاہدے کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ ایک صدی قبل جس دور میں یہ معاہدہ روبعمل لایا گیا تھا اُس وقت برطانیہ ایک عالمی قوت کی حیثیت رکھتا تھا' آج وہی قوت شمالی امریکہ کو حاصل ہے' جبکہ آلِ سعود میں سے بعض کردار بھی قصہ ماضی بن چکے ہیں اور بعض نئے کردار منصہ شہود پر ہیں... گویا ڈرامہ وہی پرانا ہے لیکن کردار نئے ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ میں جاری حالیہ بدامنی اپنے اہداف اور عسکری طریقِ کار کے اعتبار سے ابہامات (confusions) کا شکار ہے۔ ''معتبر'' ذرائع کے مطابق متعدد غیر سُنّی فرقے اور قبائل داعش (ISIS) کی جارحیت کا شکار ہیں۔ یزیدی فرقہ خاص طور پر اس جارحیت کا اس لیے شکار بتایا جاتا ہے کہ داعش کے جنگجوؤں نے مبینہ طور پر اُس پہاڑ کو گھیر رکھا ہے جس پر اس فرقے کی آبادی ہے۔ شمالی عراق کی طرف سے شدت پسندوں کے حملوں کے نتیجے میں متعدد آبادیوں کے انخلا اور پانچ سو کے قریب یزیدی فرقہ کے لوگوں کے قتل کو جواز بنا کر اور علاقے کے عیسائیوں کے تحفظ کے عنوان سے امریکہ ۲۰۱۱ء میں بھی فضائی حملے کر چکا ہے اور اب نئے حملوں کی بڑے پیمانے پر تیاری

ہے۔ امریکی فوجی ذرائع اس صورتحال کو پورے مشرقِ وسطیٰ میں پھیلتا دیکھ رہے ہیں۔ داعش کی سرگرمیاں چیک ہیگل (سیکریٹری ڈیفنس) کے خیال میں تاریخ کے خوفناک ترین عوامل میں سے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ داعش کی ان انتہاپسندانہ سرگرمیوں کا اصل محرک اور منتہائے مقصود کیا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے ماضی کے بعض اہم واقعات کو دُہرانا ناگزیر ہے۔

ماضی قریب میں صدام حسین کے بعد سے امریکہ کی پروردہ نوری کامل محمد حسین المالکی کی شیعہ حکومت کے آٹھ سالہ دورِ حکومت میں سُنّی آبادی کے ساتھ کیے گئے برتاؤ سے خطے کی پوری سُنّی آبادی شدید قسم کے عدم تحفظ کا شکار رہی ہے۔ چونکہ ظلم کا معاملہ امریکہ کی براہِ راست نگرانی اور سرپرستی میں جاری رہا ہے اس لیے سُنّی آبادی کا اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے کسی دوسرے راستے کو موجود نہ پانا انہیں دراصل دیوار کے ساتھ لگانے کے مترادف تھا۔ چنانچہ ایک شدید ردِّعمل تھا جو بیک وقت شیعہ حکمران طبقے اور امریکہ کے خلاف ایک لاوے کی صورت میں پکتا رہا۔

شیعہ سُنّی منافرت کا یہ مسئلہ بظاہر ایک علاقائی اور حالیہ معاملہ نظر آتا ہے' مگر اس کی جڑیں اس سے کہیں گہری اور وسیع ہیں۔ وسعت کے اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ اس بحران کے اصل محرک' سکرپٹ رائیٹر اور اصل کھلاڑی عالمی استعماری پلیئرز ہیں تو ہرگز غلط نہ ہوگا۔ یادش بخیر' اٹھارہویں صدی کے وسط میں آلِ سعود کا محمد بن عبدالوہابؒ کی مدد سے نجد کے بعض قصبوں سے اٹھنے والی شرک اور بدعات وخرافات کے خاتمہ کی تحریک نے شمال کی سمت میں پھیلتے پھیلتے انیسوی صدی کے آغاز تک عراق کے متعدد علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور ۱۸۰۳ء میں کربلا کا علاقہ بھی حملوں کی زد میں آ گیا تھا۔ یہاں فتوحات پالینے کے بعد آلِ سعود کا رُخ جب حجاز کی طرف ہوا تو عالمِ اسلام میں بے چینی پیدا ہوئی جس سے ان فتوحات کا زور تھم گیا۔ حجاز کی مرکزیت کی اصل وجہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تھے۔ ان شہروں پر نجدی تحریک کا تسلط خلافتِ عثمانیہ کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ لیکن اپنی سیاسی اور عسکری کمزوریوں کی وجہ سے خلافتِ عثمانیہ کو مکہ اور مدینہ بازیاب کروانے میں شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ اس مقصد کے لیے خلیفہ کو مصر میں اپنے قابلِ اعتماد کمانڈر محمد علی کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔ اس معرکہ نے علاقے کی سیاست کو ایک نیا رُخ دے دیا۔ حجاز اگرچہ دوبارہ ۱۸۱۸ء تک مکمل طور پر خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ تسلط آ گیا' لیکن خلافتِ عثمانیہ اور ترکوں سے عربوں کی مخالفت اور مخاصمت شدید تر ہوتی چلی گئی۔

آلِ سعود کی یہ نجدی تحریک اندرونِ خانہ جاری رہی اور شرک اور بدعات وخرافات کے خاتمہ کی جدّوجُہد کے لیے عسکری منہج بھی اپنے دلائل اور نظریات کے ساتھ پھیلتا رہا۔ البتہ اس کارِ خیر کے لیے پیدا شدہ ایمانی جذبات اُعداء کے لیے بھی بسہولت استعمال ہوتے رہے اور تاحال ہو رہے ہیں۔ یہ کیسے ہوا... اس کی بھی ایک الگ کہانی ہے۔ تاجِ برطانیہ نے خطے میں مذہبی جذبات اور اختلافات کو کیسے اپنے استعماری مقاصد کے لیے استعمال کیا' اسے جاننے کے لیے بیسویں صدی کے بالکل شروع کے حالات پر سرسری نگاہ ڈالنا مفید ہوگا۔

آج سے لگ بھگ سو برس قبل جملہ بلادِ عرب خلافتِ عثمانیہ کا حصہ تھے۔ ہر علاقے میں مضبوط قبائلی سردار بطور گورنر یا امیر کی حیثیت میں عثمانی خلیفہ کے ماتحت علاقے کے نظم ونسق اور مالی معاملات کے ذمہ دار متصور

ہوتے تھے۔ گویا پورے خطے میں لوگوں کو تجارت وصنعت سمیت مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے آمد ورفت کی پوری آزادی نصیب تھی۔ مسلم دنیا کی یہ شیرازہ بندی مغربی استعمار کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں یقیناً ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی‘ جس کا دور کیا جانا ان کے لیے ازبس ضروری تھا۔

یوں تو پہلی جنگِ عظیم کا آغاز جولائی ۱۹۱۴ء میں بلقان کی جنگ سے ہوا‘ لیکن اس کے لیے ماحول نصف صدی قبل سے مشرقی یورپ میں طاقت کے توازن میں بگاڑ اور بعض ممالک کے مابین تنازعات سے بننا شروع ہو چکا تھا۔ پورے یورپ میں سیاسی‘ معاشی اور علاقائی بنیادوں پر جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری تھا اور بہت سے بین الملکی معاملات میں عسکری اتحاد‘ استعماریت اور قومیت سر اُٹھا چکی تھی۔ برطانیہ کے سیاسی اور عسکری پنڈت ان حالات میں مسلم ورلڈ کے حالات کو بغور دیکھ رہے تھے اور استعماریت کے لیے بلادِ عرب اور مڈل ایسٹ کو تقسیم در تقسیم کے مرحلے سے گزارنا لازمی تھا۔ لیکن اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ‘ جیسا کہ عرض کیا گیا‘ خلافتِ عثمانی تھی جو باوجود تہ در تہ کمزوریوں کے مسلمانوں کے اتحاد اور یگانگت کی علامت تھی۔ برطانوی استعمار کو اپنے مقاصد کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں کے قلب پر حملہ کرنا تھا۔ اس کے لیے انہیں حجاز میں سب سے آسان شکار دستیاب ہو گیا۔ شریف حسین بن علی جو کہ مکہ کا امیر تھا‘ اس نے اقتدار اور مال کے وعدوں کے بدلے میں تاجِ برطانیہ سے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کا علم سربلند کرنے کا معاہدہ کیا۔ تاجِ برطانیہ نے پیسے اور اسلحے سے بھرپور مدد کی۔ شریف حسین نے ۱۹۱۶ء میں مسلح بدوؤں کے لشکر کے ساتھ خلافتِ عثمانیہ کی افواج کو ہزیمت سے دوچار کیا اور برطانوی آرمی اور بحریہ کی مدد سے پورے حجاز بشمول جدہ اور مکہ کو خلافت سے ''آزاد'' کروا کر ''عرب بغاوت کا عَلَم'' سربلند کر دیا۔ یہی علم بغاوت بعد ازاں دیگر مشرقِ وسطائی ریاستوں اردن‘ فلسطین‘ سوڈان‘ شام اور کویت کے لیے بھی ایک مثالی ماڈل قرار پایا۔

1917-18ء میں جب یورپ جنگِ عظیم اوّل کی لپیٹ میں آ چکا تھا اسی دوران ان عرب بغاوتوں کے باعث خلافتِ عثمانیہ کا سورج مشرقِ وسطیٰ سمیت پورے مسلم ورلڈ میں غروب ہو رہا تھا۔ برطانیہ جب اپنی فوجوں کو فاتحانہ طور پر فلسطین اور عراق میں داخل کر رہا تھا‘ اُسی وقت عربوں کی باغی افواج عمان اور خلیج عقبہ پر عثمانیوں کے خلاف لشکر کشی کر کے برطانیہ کی قوت کو دوچند کرنے میں مشغول تھیں۔ برطانوی کیپٹن لارنس نے عربوں کے ہاتھوں خلافتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے میں جو کردار ادا کیا اسے آج بھی تاریخ میں ایک لازوال لیجنڈری کردار کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ شریفِ مکہ سے مصر میں برٹش ہائی کمیشن کی خط وکتابت سے پتا چلتا ہے کہ تاجِ برطانیہ سے ہونے والے معاہدہ میں شریفِ مکہ کو عثمانیوں کے خلاف بغاوت کے صلہ میں جنگ کے بعد پورے عرب بشمول شام اور عراق کی بادشاہت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن یہ وعدہ اس لیے ایفاء نہ ہو سکا کہ برطانیہ نے اپنے استعماری مقاصد کے لیے بعض فریقوں (stake-holders) سے درپردہ ایسے معاہدات بھی بیک وقت (simultaneously) کر رکھے تھے جو شریفِ مکہ سے کیے گئے معاہدوں سے متصادم تھے۔ ان میں سے سب سے معروف معاہدہ وہ ہے جو برطانیہ اور فرانس کے مابین ۱۶۔1915ء میں مشرقِ وسطیٰ کی تقسیم (بلکہ بندر بانٹ) سے متعلق تھا۔ برطانیہ کے سر مارک سائیکس اور فرانس کے جارجس پیکاٹ کے مابین ہونے والے اس معاہدہ کی

رو سے جنگ کے خاتمہ پر برطانیہ کو پورے عراق‘ کویت اور اردن پر قابض ہو جانا تھا اور فرانس کے حصہ میں شام‘ لبنان اور جنوبی ترکی کے علاقے آنے تھے‘ جبکہ فلسطین کی قسمت کا فیصلہ فریقین نے صہیونی عزائم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مؤخر کیا۔ یہ معاہدہ چونکہ شریفِ مکہ سے کیے گئے معاہدہ سے براہ راست متصادم تھا اس لیے برطانیہ کو عرب‘ خاص طور پر حجاز اور نجد میں نئے حلیف درکار تھے۔ اس کے لیے ان کی نظر انتخاب آلِ سعود پر تھی جو پہلے سے ہی اقتدار اور علاقائی غلبہ و تسلط کی دوڑ میں شریک تھے۔ چنانچہ برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں آلِ سعود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے دارِن پیکٹ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رُو سے آلِ سعود کو نجد کے علاقے میں اقتدار کی یقین دہانی کروائی گئی اور بدلے میں عربوں سے کویت‘ قطر اور امارات الساحل المتصالح (جو خلیج فارس کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی ساحلی آبادیوں پر مشتمل تھی)‘ کی سرحدی آزادی و خودمختاری قائم رکھنے اور برطانوی استعمار کو ان علاقوں میں قبول کرنے اور پورے خطے کو برطانوی استعمار کے زیر نگرانی علاقہ (protectorate) تسلیم کرنے کی شرط منوائی گئی۔ اِن مقاصد کو حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۷ء میں یہ معاہدہ ایک دوسرے معاہدے سے بدل دیا گیا جسے ’’جدہ کا معاہدہ‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رُو سے آلِ سعود کو پورے حجاز اور نجد پر نسل در نسل حکمرانی کا حق دیا گیا اور ایک نئی جغرافیائی حد بندی کے ساتھ ’’آلِ سعود‘‘ کی نسبت سے المملكة العربية "السعوديه" کے قیام کی حمایت کا وعدہ کیا گیا۔ بدلے میں مشرقِ وسطیٰ کی دیگر آزاد ریاستوں کی حدود کا احترام‘ ان پر حملے نہ کرنے کی یقین دہانی اور علاقائی اور بین الاقوامی معاملات میں برطانیہ کی حمایت اور طرفداری کا وعدہ لیا گیا۔

عربوں کے ساتھ متذکرہ بالا معاہدات (شریف حسین کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں کیے گئے McMohan Agreement اور آلِ سعود کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں دارن پیکٹ اور بعد ازاں ۱۹۲۷ء کا معاہدۂ جدہ) اگرچہ اپنی جگہ پر عربوں کی کشمکش اقتدار اور برطانوی استعمار کی عیاری کا مظہر ہیں اور استعماری قوتوں کی وسیع تر پلاننگ اور علاقہ پر غلبہ اور وسائل پر قابو پانے کی کوششوں کا حصہ ہیں‘ لیکن بین السطور ایک اور تباہ کن معاہدہ بھی عمل میں لایا گیا جس کی پورے طور پر تکمیل ابھی شرمندۂ تعبیر ہے۔ یہ وہ بدنامِ زمانہ معاہدہ ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں مستقل بنیادوں پر بدامنی اور عسکریت کا باعث ہے۔ اس معاہدے کو تاریخ میں ’’بالفور ڈیکلریشن‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی فارن سیکریٹری آرتھر بالفور نے صہیونی سرکردہ لیڈر راتھ چائلڈ کو ایک خط تحریر کیا جس میں فلسطین میں ایک آزاد یہودی ریاست کے لیے تاجِ برطانیہ کی مکمل حمایت اور تعاون کا یقین دلایا گیا۔

قارئین کے لیے یہ بات تعجب اور دلچسپی کا باعث ہوگی کہ جہاں ایک جانب اسرائیل کی ناجائز ریاست کے قیام کے پس پردہ برطانوی سامراج کے صہیونیوں سے ۱۹۱۷ء میں کیے گئے بالفور ڈیکلریشن اور برطانوی استعماری عزائم کا دخل ہے‘ تو وہیں دوسری جانب ۱۹۳۲ء میں المملكة العربيه السعوديه کے قیام کے پیچھے بھی برطانوی استعماری عزائم کے لیے آلِ سعود سے کیے گئے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۲۷ء کے معاہدات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ گویا بلادِ عرب کو موجودہ ’’سعودی عرب‘‘ میں بدل کر مشرقِ وسطیٰ میں آزاد شہنشاہیت کو فروغ دینا اور یہودیوں کو عربوں کے علاقے میں آباد کروا کر عربوں کو مستقلاً تنازعات میں الجھانا اصل میں ایک ہی سازش کے

دو رُخ ہیں جو اسلامی دنیا کے اتحاد و شیرازہ بندی کو توڑنے اور ان کے وسائل پر قابو یافتہ ہونے کی بڑی سازش کا حصہ ہیں۔ چنانچہ عراقیوں' شامیوں اور اردنیوں کے مابین نصف صدی سے جاری اختلافات و تنازعات کی اصل بنیاد یہی متضاد معاہدات ہیں جو تاجِ برطانیہ نے مختلف فریقوں سے خفیہ طور پر کیے۔

بالفور ڈیکلریشن کے نتیجے میں ۱۹۴۸ء میں جس اسرائیلی ریاست کے قیام کی بنیاد پڑی تھی وہ ریاست صہیونی عزائم کے مطابق ابھی تکمیلی مراحل تک نہیں پہنچ پائی۔ صہیونیت ایک خالص سیاسی تحریک ہونے کے باوجود اپنا ایک مذہبی تشخص اور نظریہ رکھتی ہے۔ یہود کی مذہبی کتب میں Promised Land یعنی ''ارضِ موعود'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ ارضِ موعود کا ذکر پیدائش (Genesis)' خروج اور استثناء (Deuteronomy) میں موجود ہے جو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اُسی جغرافیائی حدود کی نشاندہی کرتا ہے جو دورِ جدید میں گریٹر اسرائیل (Greater Israel) کے نقشوں میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ اس میں موجودہ اسرائیل' جملہ فلسطینی علاقے' لبنان' شام' اردن' عراق اور شمالی سعودی عرب شامل ہیں۔ بعض دوسری مذہبی روایات کے مطابق کویت' پورا سعودی عرب' عرب امارات' عمان' یمن اور ترکی کا بیشتر جنوبی علاقہ بھی اس نقشے میں شامل ہے۔ گریٹر اسرائیل کا قیام صہیونیت کا وہ نامکمل ایجنڈا ہے جس کی تکمیل کے لیے مشرقِ وسطیٰ میں بعض نئے اور بیشتر پرانے مہرے دانستہ و نادانستہ سرگرمِ عمل ہیں۔

یہ ہے وہ تاریخی پس منظر جس کے تناظر میں مشرقِ وسطیٰ کے حالات کو بالخصوص اور پورے مسلم ورلڈ کو بالعموم دیکھنے سے اُن عزائم کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اَعداء اللہ' اَعداء الرسول اور اَعداء الناس کے پیشِ نظر ہیں۔ اسی تجزیاتی تناظر سے یہ بات بھی کھلتی ہے کہ پہلی گلف وار میں صدام حسین کے ذریعے کویت پر جارحیت کروانے سے اصل مقصود عراق یا کویت کی حمایت نہیں تھی بلکہ عراق کی قوت کو تہس نہس کرنا اور کویت و عراق کے معدنی ذخائر پر قبضہ کرنا تھا۔ بعد ازاں انہی مذموم مقاصد کی خاطر صدام حسین کو نشانِ عبرت بنا کر شیعہ اقلیت کو سُنی آبادی پر مسلط کیا گیا تاکہ اُن انتہا پسندانہ مذہبی جذبات کو فروغ حاصل ہو جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں آلِ سعود کے ذریعے نجدی تحریک کے ابتدائی دور میں مشرقِ وسطیٰ میں مذہبی شدت پسندی کا باعث بنے تھے۔

کیسی ستم ظریفی ہے کہ آج وہی آلِ سعود انہی نظریاتی اساسات کی بنیاد پر سُنی وہابی عسکری گروہ ''داعش'' کی پشت پناہی کا الزام اپنے اوپر لگنے بلکہ قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ شاید اس لیے ہے کہ ان کے پاس ایرانی influence کو بیلنس کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ بظاہر یہ عسکری جدوجہد توحید بمقابلہ شرک و بدعات اور قیامِ خلافت کی ایک جنگ ہے لیکن عالمی استعماری اور صہیونی قوتوں کے پاس گریٹر اسرائیل کی راہ ہموار کرنے کا اس کے علاوہ کوئی دوسرا موثر طریقہ اور موزوں راستہ بھی نظر نہیں آتا۔ مذہبی تشدد کو بدترین انتشار میں بدلنے سے ہی اُس بندر بانٹ کا موقع فراہم ہو سکتا ہے جس سے مشرقِ وسطیٰ کی جغرافیائی سرحدیں گریٹر اسرائیل کی تشکیل کے لیے نرم کی جاسکیں گی اور اُس نا تمام صہیونی ایجنڈے کی تکمیل ہو سکے گی۔

یہ تو اَعداء کی وہ پلاننگ ہے جس کے لیے بساط بچھائی جا چکی ہے۔ مسلمان حکمران اور انتہا پسند طبقات ہمیشہ کی طرح شطرنج کے مہروں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ عوام کو جمہوریت کے فریب' روٹی کپڑا اور مکان کی

جہد مسلسل اور مذہبی منافرتوں میں جکڑ دیا گیا ہے تاکہ ملتِ اسلامیہ کے ان مسائل سے تعرض کا موقع ہی نہ رہے۔ لیکن ایک تدبیر اللہ کی بھی ہے جسے اپنے نظام الاوقات کے مطابق پورا ہو کر رہنا ہے۔

(**پس نوشت:** قارئین کے لیے اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ متذکرہ بالا تجزیہ اصلاً عالمی سامراج کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے حوالے سے ایک مخصوص زاویے سے حالات و واقعات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اسی لیے ان سطور میں سعودی حکمرانوں کی اُن مساعی حمیدہ کا ذکر نہیں ہے جو انہوں نے حرمین شریفین کی تولیت کی نسبت سے مختلف ذمہ داریوں کی ادائیگی اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے فروغ کے ضمن میں بحسن وخوبی نبھائی ہیں۔ بے شک یہ اس خاندان کا بڑا کارنامہ اور عظیم خدمت ہے جس پر اُمتِ مسلمہ ان کے زیر بار احسان ہے۔)

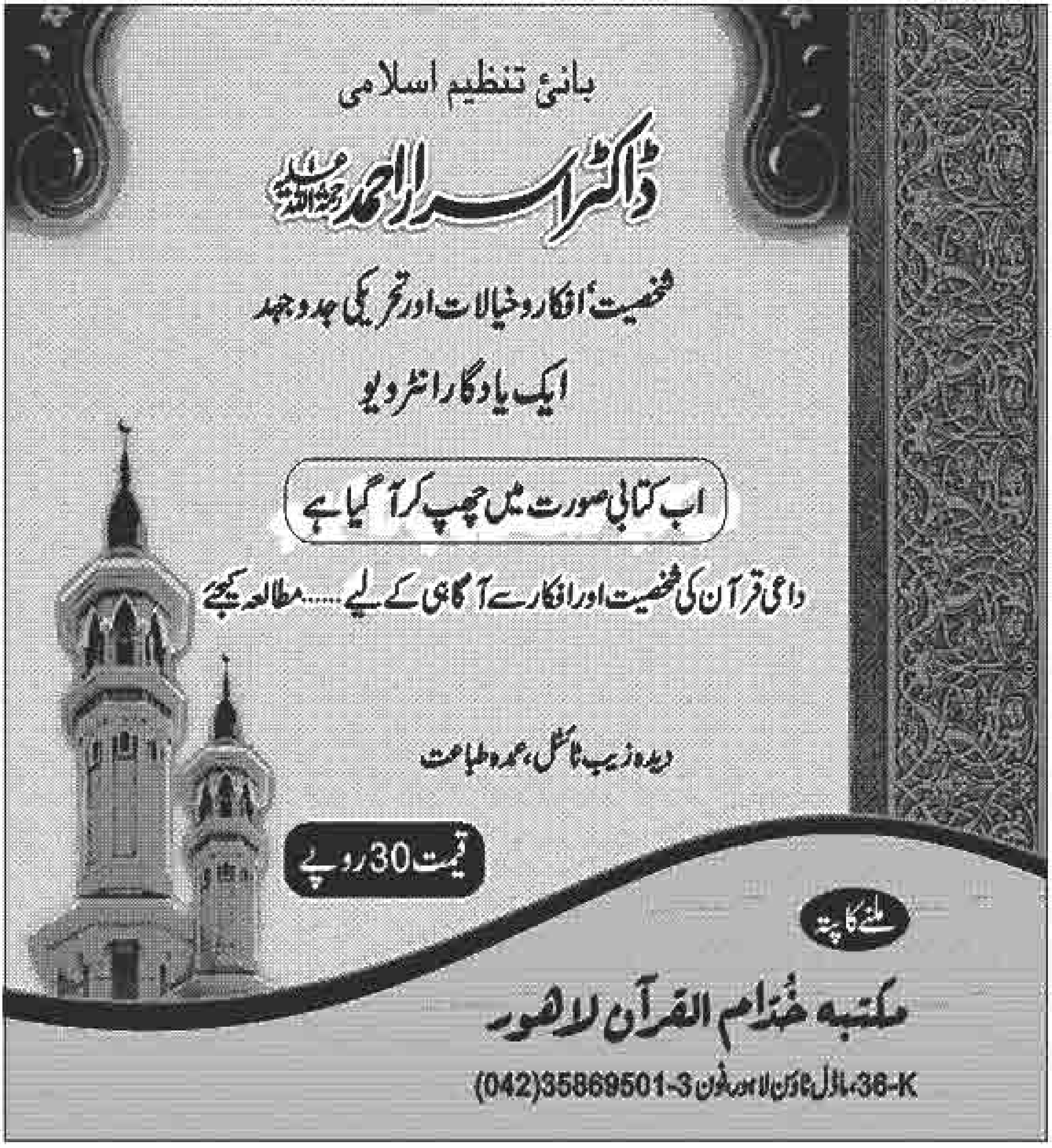

الفاتحہ اور قرآن کی سورتوں کا باہمی تعلّق

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب میں ربط اور مناسبت پائی جاتی ہے اور اسی طرح آیات جس ترتیب کے ساتھ آئی ہیں ان میں بھی ربط اور مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر بھی قدیم و جدید علماء اور مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ ربط بعض دفعہ خود آیات سے اور بعض دفعہ نبی مکرم ﷺ کی احادیث سے سمجھا جاتا ہے۔ ہم اس مضمون میں اسی موضوع کے چند پہلوؤں کو نکھارنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) ربط سورۃ الناس اور سورۃ الفاتحہ: جس طرح کرۂ ارض گول ہے اسی طرح اگر سارے قرآن کو ایک طویل صحیفہ پر لکھ کر گولائی میں لپیٹ لیا جائے تو سورۃ الناس اور سورۃ الفاتحہ ساتھ ساتھ نظر آئیں گی۔ یعنی قرآن کا اوّل آخر سے مربوط نظر آئے گا۔ اور ہم اسی ربط پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③﴾

''کہہ دیجیے میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی' لوگوں کے بادشاہ کی' لوگوں کے معبود کی۔''

اور یہی تین صفات سورۃ الفاتحہ میں بیان ہوئیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾

''تمام تعریفیں تمام جہانوں کے رب کے لیے ہیں' جو رحمٰن و رحیم ہے' جزاو سزا کے دن کا مالک ہے' اور تمہاری ہی ہم عبادت کرتے ہیں۔''

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا تقابل رَبِّ النَّاسِ سے' مَالِكِ (اور ایک قراءت میں مَلِكِ) کا تقابل مَلِكِ النَّاسِ سے' اور اللہ کے معبود ہونے (اِيَّاكَ نَعْبُدُ) کا تقابل اِلٰهِ النَّاسِ سے ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم میں غور و فکر کے لحاظ سے ان تینوں صفات کو تین سطحوں پر سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی سطح آیات کا ظاہری مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگہداشت کرنے والے ہیں' وہی مالک اور بادشاہ ہیں' اور جب سب کچھ انہی کا دیا ہوا ہے تو اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیے۔ اس سے زیادہ گہری سطح یہ ہے کہ یہاں انسان کی زندگی کے تین مرحلوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

مرحلۂ طفولیت: جب بچہ اپنے باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہے' وہی اس کی ضروریات کا کفیل ہے' ایسے ہی اس کی ماں کہ جس کی چھاتی سے اس نے اپنی پہلی غذا حاصل کی۔ گویا ماں باپ اس کے لیے رب کی حیثیت رکھتے ہیں' لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہے اس پر آشکار ہونے لگ جاتا ہے کہ

اس کے ماں باپ تو خود کسی اور کے محتاج ہیں۔ رب وہ نہیں بلکہ رب وہ ذات ہے جس نے انہیں زندگی بخشی اور جو کائنات کی ایک ایک مخلوق کو اپنی رحمت وشفقت سے نواز رہا ہے۔ گویا بچہ ربوبیتِ آباء سے ربوبیتِ الٰہ کے تصور تک پہنچتا ہے۔

مرحلۂ جوانی: زندگی کے اس دور میں ہر نوجوان کہ جس کی رگوں میں جوانی کا خون دوڑ رہا ہوتا ہے' اپنے آپ کو طرم خان سمجھتا ہے' کسی کو خاطر میں نہیں لاتا' اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں ہر شخص سے بھڑ جاتا ہے' ایک لحاظ سے اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے کہ اپنی مرضی کا مالک ہے' نہیں چاہتا کہ کوئی اور اپنی مرضی اس پر مسلط کرے' لیکن جب وہ زندگی کی حقیقتوں سے روشناس ہوتا ہے' آزمائشیں اسے گھیر لیتی ہیں' مصائب اس کی ہمت کو کچل کر رکھ دیتے ہیں تو پھر وہ کہہ اٹھتا ہے کہ میں کیا اور میری شاہی کیا! اصل بادشاہ تو اللہ کی ذات ہے کہ جس کی مرضی ساری کائنات میں جاری وساری ہے۔

مرحلۂ شیخوخت : ایک شخص جس نے اپنی جوانی میں اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا' ساری زندگی اکڑفوں میں گزار دی' جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچتا ہے' جب اس کے قویٰ جواب دینے لگتے ہیں' تب اسے بالآخر احساس ہو جاتا ہے کہ وہ جب پیدا ہوا تو عاجز و درماندہ تھا اور جب وہ زندگی سے جانے والا ہے تب بھی عاجز و درماندہ ہے' تو اسے ہر صورت اپنے عجز اور درماندگی کا اظہار اس شخصیت کے سامنے کرنا چاہیے جو ساری طاقت اور قوت کا مالک ہے' وہ جس کے ہاتھ میں زمین وآسمان ہیں اور جسے کوئی عاجز کرنے پر قادر نہیں۔ یعنی اس مرحلہ میں غور وفکر کے نتیجہ میں وہ معبود کے حق عبادت کو پہچان جاتا ہے' لیکن ضروری نہیں کہ ہر شخص کو یہ ہدایت نصیب ہو' ہدایت اسی کے نصیب میں آتی ہے جو اس کا طالب ہو۔

حال ہی میں ہندوستان کے مایہ ناز ادیب' صحافی اور سیاست دان خوشونت سنگھ راہیِ ملکِ بقا ہوئے' ننانوے سال کی طویل عمر پائی۔ کسی نے ان کے تذکرے میں لکھا کہ آخر عمر میں دوستوں سے بحث کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ایک ہندو آشنا نے نرگ اور سورگ کا فلسفہ جھاڑا تو کہنے لگے کہ تم تو ایسے بعد از مرگ زندگی کا حال بیان کرتے ہو جیسے وہاں ہو آئے ہو! کاش کہ وہ قرآن کو بھی سینے سے لگاتے تو اپنے سوال کا کافی و شافی جواب پاتے۔

تیسری سطح ذرا اور گہرائی پر ہے: ان تینوں صفات سے توحید کے تینوں پہلوؤں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ یعنی توحیدِ ربوبیت' توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء وصفات۔ توحیدِ ربوبیت کا مطلب ہے کہ مخلوقات کی پرورش کا سارا انتظام کہ جس کا رخ آسمان سے زمین کی جانب ہے' وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے' اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جو اپنی مخلوق کی رزق رسانی کر رہا ہو۔ اور اگر وہی واحد رزق رساں ہے تو پھر ہماری دعائیں' ہماری نمازیں' ہماری تمام عبادتیں صرف اللہ ہی کے لیے ہونی چاہئیں کہ وہی وہ ذات لاشریک لہ ہے جو ہماری التجاؤں' دعاؤں' تمناؤں کو سن سکتی ہے اور پھر انہیں پورا بھی کر سکتی ہے۔ وہی اللہ ہے کہ جس نے اپنے لیے بہترین ناموں کا انتخاب کیا ہے ﴿وَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾ وہ رحمٰن ہے' رحیم ہے' علیم وقدیر ہے' عزیز وحکیم ہے' سمیع وبصیر ہے' وہ جس کے ننانوے صفاتی ناموں کا قرآن وحدیث میں تذکرہ ہے۔ لیکن انسان یہ نہ سمجھے کہ چونکہ ان میں سے کئی

صفات خود اس میں بھی پائی جاتی ہیں‘ یعنی وہ خود بھی سنتا ہے اور دیکھتا ہے‘ علم اور قدرت بھی رکھتا ہے‘ رحمت و شفقت کے مظاہرے بھی کرتا ہے‘ بلکہ اسے جان لینا چاہیے کہ اس کی ان صفات کا اللہ کی صفات سے کوئی مقابلہ نہیں‘ اس کی یہ صفات ناقص و کمزور ہیں جبکہ اللہ کی یہی صفات کامل اور مکمل ہیں۔ اس کی صفات انتہائی محدود جبکہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں۔ وہ اپنی صفات سے استفادہ کرنے کے لیے اسباب و وسائل کا محتاج ہے جبکہ اللہ خود وسائل اور اسباب کا خالق ہے‘ اور یوں انسان کی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ اپنی صفاتِ کاملہ میں بھی یکتا ہے‘ کوئی اُس کا ان صفات میں ہمسر نہیں۔

اب آیئے اگلی آیات کی طرف:

﴿مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾﴾

یہاں شیطان کے شر سے پناہ مانگی جارہی ہے جو وسوسہ ڈالتا ہے پھر بھاگ جاتا ہے‘ اور یہ وسوسہ لوگوں کے سینوں میں ڈالتا ہے‘ یہ شیطان جنوں میں سے بھی ہے اور عوام الناس میں سے بھی۔

اس مضمون کو تخلیہ کہا جاتا ہے‘ جبکہ سورۃ الفاتحہ میں اس کے مقابلے میں تحلیہ ہے۔ تخلیہ کا مطلب ہے خالی کرنا‘ تنہا کردینا۔ اور تحلیہ کا مطلب ہے کسی چیز کو آراستہ و پیراستہ کرنا۔

سورۃ الناس میں سینے کو شیطان کے شر سے خالی ہونے کی استدعا کی گئی ہے اور سورۃ الفاتحہ میں پھر اس سینے کو ہدایت سے پُر کرنے کی دعا کی گئی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اگر معدہ ثقیل غذا کی بنا پر بدہضمی کا شکار ہو تو حکیم پہلے معدے کو قبض کشا دوا سے پاک و صاف کرتے ہیں اور جب معدہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اچھی غذا قبول کر سکے تب مریض کو ہلکی لیکن مفید غذا کھانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قاعدے کے لحاظ سے پہلے تخلیہ ہونا چاہیے اور پھر تحلیہ‘ لیکن سورۃ الفاتحہ قرآن کی پہلی سورت ہے جس میں تحلیہ مذکور ہے‘ جبکہ سورۃ الناس آخری سورت ہے جس میں تخلیہ کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چاہے سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے یا قرآن کی کوئی بھی سورت‘ تعوذ (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۹۸﴾﴾ (النحل) ”اور جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو“۔ یعنی سورۃ الفاتحہ سے پہلے بھی تخلیہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۲) سورۃ الفاتحہ اور اگلی دو سورتوں کا ربط: اب دیکھئے کہ سورۃ الفاتحہ میں ہدایت طلب کی گئی ہے اور ان لوگوں کا راستہ طلب کیا گیا ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا‘ جن پر اللہ کا غضب نازل نہیں ہوا اور جو گم کردہ راہ نہیں ہوئے۔ سورۃ البقرۃ کی ابتدا ہی اس بات سے ہو رہی ہے کہ جس ہدایت کو تم مانگ رہے ہو وہ کتابِ ہدایت کی شکل میں تمہیں دی جارہی ہے: ﴿ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾﴾ اور پھر سورۃ البقرۃ کی سو آیات میں (آیت چالیس سے لے کر ۱۴۰ تک) بنی اسرائیل یا یہود کا تذکرہ ہے جو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے بحیثیت اُمتِ مسلمہ معزول کیے گئے اور پھر ان کی جگہ اُمتِ محمدی کو بحیثیت اُمتِ مسلمہ اٹھایا گیا‘ اور اس سے اگلی سورت‘ سورۂ آلِ عمران میں

عیسائیوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مان کر گمراہ ہوئے۔ ہدایت ایمان اور اسلام کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایمان اگر دل کی کیفیت یقین کا نام ہے تو اسلام اس ظاہری کیفیت کا نام ہے جو ایمان کی وجہ سے اعمالِ ظاہرہ میں ڈھلتی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ''ایمان'' پر زور دیا گیا ہے۔ شروع میں ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ کا تذکرہ ہے اور آخر میں ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ﴾ (آیت ۲۸۵) پر بات ختم کی جا رہی ہے۔ اور سورۂ آل عمران میں ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫﴾ (آیت ۱۹) کے حوالے سے اسلام کا بیان ہو رہا ہے۔

(۳) شیخ عدنان عبدالقادر (کویتی عالم دین) سورۃ الفاتحہ کا ربط اگلی پانچ سورتوں کے ساتھ یوں بتا رہے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ میں دعوتِ اسلامی کے اصول بیان ہو گئے ہیں:

پہلی چیز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے، جس میں توحید کی تینوں اقسام آ جاتی ہیں:

﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں توحید ربوبیت کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱﴾

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳﴾ میں توحید اسماء وصفات کا ذکر ہے۔ ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں توحید الوہیت کا بیان ہے۔ اور یہ توحید اصل ثانی کے بغیر پہچانی نہیں جا سکتی اور وہ ہے نبی ﷺ کی پیروی کی جس کی طرف ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے، اور پھر ان دونوں بنیادوں کے ثمرات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے اس کے غضب کے بجائے اس کی رضا کا حصول اور گمراہی کے بجائے ہدایت کا حصول ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝﴾ اور یہ تیسری بنیاد بن جاتی ہے۔

(۴) اب اس دعوت کے ظہور کے بعد لوگ تین طرح کی جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں: پہلی جماعت اہلِ ایمان کی جو دعوت لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لائے، جنہیں ہدایت نصیب ہوئی اور جو کامیاب و کامران رہے اور ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ کہہ کر ان کے ذکر سے اس سورت کا آغاز ہوا۔

دوسری جماعت جس نے کفر و عناد کا راستہ اختیار کیا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۶﴾ (البقرۃ) یہ جماعت لعنت اور عذاب عظیم کی مستحق ہوئی اور اس جماعت کی سب سے بڑی مثال کے طور پر ابلیس کا ذکر ہوا: ﴿اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۳۴﴾ (البقرۃ)

تیسری جماعت منافقوں کی ہے جنہوں نے دروغ گوئی اور دھوکے بازی کا راستہ اختیار کیا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝۸﴾ (البقرۃ) اس جماعت نے کفر کو چھپایا اور ایمان کا دعویٰ کیا اور یوں وہ زمرۂ کفار میں شامل ہونے کے مستحق ٹھہرے اور ان کی سب سے بڑی مثال بنو اسرائیل یا یہودی ٹھہرے جن کا تفصیلی ذکر اس سورۃ میں آ رہا ہے۔

سورۃ کا اختتام بھی بطور مِسكُ الختام پہلی جماعت کے ذکر کے ساتھ کیا گیا کہ آغاز بھی انہی سے تھا اور اختتام بھی، اور اس جماعت کے سرخیل کے طور پر دو جلیل القدر شخصیتوں کا ذکر کیا گیا یعنی ابراہیم علیہ السلام ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ﴾ (آیت ۱۲۴) اور سید البشر محمد بن عبداللہ ﷺ ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ

﴿اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ﴾ اور یہی سورۃ البقرۃ کا مرکزی مضمون ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بطور بنیاد بیان کیا جانا' جو کلمۂ شہادت کا پہلا جزء ہے اور پھر اس کے ماننے یا نہ ماننے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جماعتوں کا بیان۔

(۵) جو لوگ پہلی جماعت میں داخل ہوئے انہیں ایک مرشد' معلّم اور راہنما کی ضرورت تھی' جو انہیں راستے کے نشیب و فراز سمجھا سکے۔ انبیاء اور رسولوں سے بہتر اور کون قائد و مربّی ہو سکتا ہے؟ اور پھر ان میں سب سے زیادہ پیروی کیے جانے کا کوئی حق دار ہو سکتا ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں: ﴿اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ﴾ (آل عمران:۶۸) ''بلاشبہ ابراہیمؑ سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کی پیروی کی (پھر ان کے بعد) یہ نبی اور اس پر ایمان لانے والے۔'' اور اللہ کے رسول اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہی سورۂ آل عمران کا مرکزی مضمون ہے: سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی متابعت' جو کہ کلمۂ شہادت کا دوسرا جزء اور دعوتِ توحید کی اصل ثانی ہے۔

(۶) دعوتِ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ'' کے ماننے والے طہارت' پاکیزگی اور اخلاقِ عالیہ کے حامل ہونے چاہئیں' انہیں زیب دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیش آئیں جیسے کہ حقیقی بھائی ہوں اور اس طرح وہ ایک ایسی اُمت کا منظر پیش کریں جو باہم شیر و شکر ہو' خیر اور بھلائی کی دعوت دینے والی ہو تاکہ دوسری اُمتوں کے لیے مشعل راہ بن سکیں اور یہی مرکزی مضمون ہے سورۃ النساء کا' یعنی تزکیہ اور تطہیر اخلاق کی دعوت۔ اسی لیے سورۃ کا آغاز ہی وحدتِ بنی آدم سے ہوا ہے' وہ سارے کے سارے بھائی ہیں کہ ان کا ایک ہی باپ ہے اور ایک ہی ماں ہے اور وہ ایک ہی رحم سے تعلق رکھتے ہیں۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ﴾ (آیت ۱)

''لوگو! اپنے اُس ربّ سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا' پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ نیز اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قریبی رشتوں کے معاملہ میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔''

تزکیہ اور حسن خلق' دعوتِ توحید کی تیسری بنیاد ہے' جس کا تفصیلی تذکرہ اس سورت میں ہو رہا ہے۔ ان تینوں بنیادوں کو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اختصار کے ساتھ بیان فرما دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ، اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) (متفق علیہ)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دے دیں' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' اگر وہ ایسا کر لیں تو پھر میری طرف سے ان کے خون اور مال محفوظ ہو جائیں گے الا یہ کہ اسلام کے کسی اور حق کی بنا پر ان کا مطالبہ کیا جائے' اور بہر صورت

اللہ ان کا حساب کتاب کرنے والا ہے۔“

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی اور ایک دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

((اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ))

(سنن الترمذی و مسند احمد)

”جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو برائی ہو جائے تو نیکی کر کے اسے مٹا دو اور لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرو۔“

(۷) اس دعوتِ توحید میں داخل ہونا گویا اللہ تعالیٰ سے ایک عہد و پیمان باندھنا ہے تاکہ اسلام کی ان تین بنیادی باتوں کی حفاظت ہو سکے' یعنی توحید' اتباع اور تزکیہ' اور اسی لیے اگلی سورت' سورۃ المائدۃ کی ابتدا ہی عہد کی پابندی کرنے کے حکم سے ہو رہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ﴾ (آیت ۱)

”اے ایمان والو! اپنے معاہدات کو پورا کرو۔“

قیامت کے دن جب تمام لوگوں کا محاسبہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے اس عہد کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا' ان لوگوں میں سب سے آگے آگے رسول ہیں:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۰۹)

”جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں (دنیا میں) کیا جواب دیا گیا تھا؟“

اور وفات کے اعتبار سے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام آخری بنتے ہیں' اس لیے ان سے خاص طور پر اسی میثاقِ الٰہی کے بارے میں سوال ہو گا:

﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۱۶)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنا لو؟“

اور اسی واقعہ پر سورت کا اختتام ہوتا ہے جس سے اس سورت کا مرکزی مضمون معلوم ہوا: ”تینوں بنیادوں پر مبنی میثاقِ الٰہی کو پورا کرنا۔“

(۸) جس میثاقِ الٰہی کا سورۃ المائدۃ میں تذکرہ ہوا ہے وہ دعوتِ توحید اور وحدانیتِ خالقِ کائنات کو ثابت کرنے کے لیے مضبوط دلائل و براہین پر قائم ہے' ان میں سب سے پہلی اور سب سے واضح دلیل کائنات کی تخلیق ہے۔ فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ﴾ (الانعام:۱)

”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔“

اور جو ان دلائل پر یقین رکھتا ہو اور انہیں حرزِ جان بنا رکھتا ہو' اسے اپنے صراطِ مستقیم پر ہونے کا پختہ یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں: (باقی صفحہ 36 پر)

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمٰن خان

آیات ۴۴۔۴۵

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ
وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ
وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ح ب ر

حَبَرَ يَحْبُرُ (ن) حَبْرًا : آراستہ کرنا' نقش و نگار بنانا۔

حَبِرَ يَحْبَرُ (س) حَبَرًا : کسی چیز کا اپنے نشانات چھوڑ جانا۔

حِبْرٌ ج اَحْبَارٌ : عالم دین (کیونکہ وہ علم سے آراستہ ہوتا ہے اور اپنے علم کے اثرات چھوڑ جاتا ہے) آیت زیر مطالعہ۔

اَحْبَرَ (افعال) اِحْبَارًا: کسی کو مسرور کرنا' آؤ بھگت کرنا۔ ﴿فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝﴾ (الروم) ''تو ان لوگوں کی ایک باغ میں آؤ بھگت کی جائے گی۔''

ء ن ف

اَنِفَ يَاْنَفُ (س) اَنَفًا : (۱) خوددار ہونا' ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا۔ (۲) ناپسند کرنا' ناک بھوں چڑھانا۔

اَنْفٌ : ہر چیز کی ابتدا' جیسے (۱) پہاڑ کی چوٹی (۲) ناک۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِنِفًا (ظرف' اس لیے منصوب ہوتا ہے) : شروع میں' ابھی۔ ﴿مَا ذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ (محمد:١٦)
''انہوں نے کیا فرمایا ابھی۔''

ترکیب

جملہ فعل ماضی ''اَنْزَلْنَا'' سے شروع ہوا ہے اس لیے ''يَحْكُمُ'' سے پہلے ''كَانَ'' محذوف مانا جائے گا اور اس کا ترجمہ ماضی میں ہوگا۔ ''اَلنَّبِيُّوْنَ'' موصول ہے اور ''اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا'' صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر ''يَحْكُمُ'' کا فاعل ہے' جبکہ ''لِلَّذِيْنَ هَادُوْا'' ''يَحْكُمُ'' سے متعلق ہے۔ ''اَلرَّبّٰنِيُّوْنَ'' اور ''اَلْاَحْبَارُ'' بھی ''يَحْكُمُ'' کے فاعل ہیں' جبکہ ''بِمَا'' بھی ''يَحْكُمُ'' سے متعلق ہے۔ ''عَلَيْهِ'' کی ضمیر ''كِتٰبِ اللّٰهِ'' کے لیے ہے۔ ''مَنْ'' شرطیہ ہے' اس لیے ''لَمْ يَحْكُمْ'' کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ

اِنَّآ : بے شک ہم نے	اَنْزَلْنَا : نازل کیا
التَّوْرٰىةَ : تورات کو	فِيْهَا : اس میں
هُدًى : ہدایت ہے	وَّنُوْرٌ : اور نور ہے
يَحْكُمُ : فیصلہ کیا کرتے تھے	بِهَا : اس سے
النَّبِيُّوْنَ : انبیاء کرام	الَّذِيْنَ : جنہوں نے
اَسْلَمُوْا : تابعداری کی	لِلَّذِيْنَ : ان کے لیے جو
هَادُوْا : یہودی ہوئے	وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ : اور اللہ والے (بھی)
وَالْاَحْبَارُ : اور علماء (بھی)	بِمَا : اس وجہ سے کہ
اسْتُحْفِظُوْا : وہ محافظ بنائے گئے	مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ : اللہ کی کتاب میں سے
وَكَانُوْا : اور وہ تھے	عَلَيْهِ : اس پر
شُهَدَآءَ : گواہ	فَلَا تَخْشَوُا : پس تم مت ڈرو
النَّاسَ : لوگوں سے	وَ : اور (یعنی بلکہ)
اخْشَوْنِ : مجھ سے ڈرو	وَلَا تَشْتَرُوْا : اور مت خریدو
بِاٰيٰتِيْ : میری آیات کے عوض	ثَمَنًا قَلِيْلًا : تھوڑی سی قیمت
وَمَنْ : اور جو	لَّمْ يَحْكُمْ : فیصلہ نہیں کرتے
بِمَآ : اس سے جو	اَنْزَلَ : نازل کیا
اللّٰهُ : اللہ نے	فَاُولٰٓئِكَ : تو وہ لوگ
هُمُ الْكٰفِرُوْنَ : ہی کافر ہیں	وَكَتَبْنَا : اور ہم نے لکھا
عَلَيْهِمْ : ان پر	فِيْهَآ : اس میں

اَنَّ : کہ	النَّفْسَ : جان (کا بدلہ ہے)
بِالنَّفْسِ : جان سے	وَالْعَيْنَ : اور آنکھ (کا بدلہ ہے)
بِالْعَيْنِ : آنکھ سے	وَالْاَنْفَ : اور ناک (کا بدلہ ہے)
بِالْاَنْفِ : ناک سے	وَالْاُذُنَ : اور کان (کا بدلہ ہے)
بِالْاُذُنِ : کان سے	وَالسِّنَّ : اور دانت (کا بدلہ ہے)
بِالسِّنِّ : دانت سے	وَالْجُرُوْحَ : اور زخموں (کا بھی)
قِصَاصٌ : بدلہ ہے	فَمَنْ : تو جس نے
تَصَدَّقَ بِهٖ : اپنا حق چھوڑا	فَهُوَ : تو یہ
كَفَّارَةٌ : کفارہ ہے (گناہوں کا)	لَّهٗ : اس کے لیے
وَمَنْ : اور جو	لَّمْ يَحْكُمْ : فیصلہ نہیں کرتے
بِمَآ : اس سے جو	اَنْزَلَ : نازل کیا
اللّٰهُ : اللہ نے	فَاُولٰۗىِٕكَ : تو وہ لوگ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ : ہی ظلم کرنے والے ہیں	

آیات ۴۶ تا ۵۰

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا
مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

ء ث ر

اَثَرَ يَاْثُرُ وَاَثَرَ يَاْثِرُ (ن۔ض) اَثْرًا : (۱) کسی چیز کا اپنا نشان چھوڑ جانا جو اس کے وجود پر دلیل ہو۔ (۲) کسی کا احترام کرنا۔

اَثَرٌ ج اٰثَارٌ (اسم ذات) : نشان‘ اثر‘ نقشِ قدم۔ ﴿سِيمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح:۲۹) ”ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔“ ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ (طٰہٰ:۹۶) ”تو میں نے قبضے میں لیا ایک مٹھی بھر فرشتے کے نقشِ قدم سے۔“

اُثْرَةٌ ج اَثَارَةٌ: کسی علم کا بقیہ حصہ۔ ﴿اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ (الاحقاف:۴) ”تم لوگ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کسی علم کے باقی حصے۔“

اٰثَرَ (افعال) اِيْثَارًا : کسی کو کسی پر ترجیح دینا۔ ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾﴾ (الاعلیٰ) ”بلکہ تم لوگ ترجیح دیتے ہو دنیا کی زندگی کو۔“

ھ ی م ن

هَيْمَنَ (رباعی) هَيْمَنَةٌ :حفاظت کرنا‘ نگرانی کرنا۔

مُهَيْمِنٌ (اسم الفاعل) :حفاظت اور نگرانی کرنے والا۔

ش ر ع

شَرَعَ يَشْرَعُ (ف) شَرْعًا: کسی کے لیے قانون بنانا۔ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ (الشوریٰ:۱۳) ”اس نے قانون بنایا تمہارے لیے نظامِ حیات میں سے‘ اس کو اس نے تاکید کی جس کی نوحؑ کو۔“

شِرْعَةٌ :قوانین کا مجموعہ‘ دستور۔ آیت زیر مطالعہ۔

شَرِيْعَةٌ: قوانین کی پابندی کا لائحہ عمل‘ راستہ‘ ضابطہ۔ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾ (الجاثیۃ:۱۸) ”پھر ہم نے رکھا آپؐ کو ایک ضابطے پر حکم میں سے‘ تو آپؐ پیروی کریں اس کی۔“

شَرَعَ يَشْرَعُ (ف) شُرُوْعًا :پانی میں گھسنا۔

شَارِعَةٌ ج شُرَّعٌ (اسم الفاعل) : پانی میں گھسنے والی۔ ﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ (الاعراف:۱۶۳) ”جب آتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتے کے دن پانی میں تیرتی ہوئی۔“

ن ھ ج

نَهَجَ يَنْهَجُ (ف) نَهْجًا :راستہ چلنا۔

مِنْهَاجٌ :راستہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

”عَلٰى اٰثَارِهِمْ“ کی ضمیر آیت ۴۴ میں مذکور ”اَلنَّبِيُّوْنَ‘ الرَّبّٰنِيُّوْنَ“ اور ”اَلْاَحْبَارُ“ کے لیے ہے۔ ”مُصَدِّقًا“ حال ہے۔ ”وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً“ یہ دونوں بھی حال ہیں۔ ”اِلَيْكَ الْكِتٰبَ“ میں ”اَلْكِتٰبَ“ پر لام تعریف ہے جبکہ ”مِنَ الْكِتٰبِ“ میں ”اَلْكِتٰبِ“ پر لام جنس ہے۔ ”عَمَّا“ دراصل ”عَنْ مَا“ ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا فعل محذوف ہے جس کے ساتھ ”عَنْ“ کا صلہ آتا ہے۔ یہاں پر ”فَتَعْرِضَ“ محذوف ماننا مناسب ہے۔ ”وَلٰكِنْ“ کے بعد بھی کوئی فعل محذوف ہے جیسے ”فَرَّقْتُمْ“۔ ”اَصَابَ يُصِيْبُ اِصَابَةً“ (ٹھیک نشانے پر لگنا) لازم ہے‘ لیکن یہاں پر یہ ”بِ“ کے صلے کے ساتھ آیا ہے‘ اس لیے متعدی ہوگیا‘ یعنی ٹھیک نشانے پر لگانا۔

ترجمہ:

وَقَفَّيْنَا :اور ہم نے پیچھے بھیجا	عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ :ان کے نقوشِ قدم پر
بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ :عیسیٰ ابن مریم کو	مُصَدِّقًا :تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے
لِّمَا :اس کی جو	بَيْنَ يَدَيْهِ :ان کے سامنے ہے
مِنَ التَّوْرٰىةِ :تورات میں سے	وَاٰتَيْنٰهُ :اور ہم نے دی انؑ کو
الْاِنْجِيْلَ :انجیل	فِيْهِ :اس میں
هُدًى :ہدایت ہے	وَّنُوْرٌ :اور نور ہے
وَّمُصَدِّقًا :اور تصدیق کرنے والی ہوتے ہوئے	لِّمَا :اس کی جو
بَيْنَ يَدَيْهِ :اس کے سامنے ہے	مِنَ التَّوْرٰىةِ :تورات میں سے
وَهُدًى :اور ہدایت ہوتے ہوئے	وَّمَوْعِظَةً :اور نصیحت ہوتے ہوئے
لِّلْمُتَّقِيْنَ :اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے	وَلْيَحْكُمْ :اور چاہیے کہ فیصلہ کریں
اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ :انجیل والے	بِمَآ :اس سے جو
اَنْزَلَ :اتارا	اللّٰهُ :اللہ نے
فِيْهِ :اس میں	وَمَنْ :اور جو
لَّمْ يَحْكُمْ :فیصلہ نہیں کرتا	بِمَآ :اس سے جو
اَنْزَلَ :نازل کیا	اللّٰهُ :اللہ نے
فَاُولٰٓئِكَ :تو وہ لوگ	هُمُ الْفٰسِقُوْنَ :ہی نافرمانی کرنے والے ہیں
وَاَنْزَلْنَآ :اور ہم نے نازل کیا	اِلَيْكَ :آپ کی طرف
الْكِتٰبَ :اس کتاب کو	بِالْحَقِّ :حق کے ساتھ
مُصَدِّقًا :تصدیق کرنے والی ہوتے ہوئے	لِّمَا :اس کی جو
بَيْنَ يَدَيْهِ :اس کے سامنے ہے	مِنَ الْكِتٰبِ :کتابوں میں سے
وَمُهَيْمِنًا :اور نگران ہوتے ہوئے	عَلَيْهِ :ان پر
فَاحْكُمْ :پس آپ فیصلہ کریں	بَيْنَهُمْ :ان کے درمیان
بِمَآ :اس سے جو	اَنْزَلَ :نازل کیا
اللّٰهُ :اللہ نے	وَلَا تَتَّبِعْ :اور آپ پیروی مت کریں
اَهْوَآءَهُمْ :ان کی خواہشات کی	عَمَّا :(ورنہ آپ گریز کریں گے) اس سے جو
جَآءَكَ :آیا آپ کے پاس	مِنَ الْحَقِّ :حق میں سے
لِكُلٍّ :سب کے لیے	جَعَلْنَا :ہم نے بنایا

مِنْكُمْ : تم میں سے
شِرْعَةً : ایک دستور
وَّمِنْهَاجًا : اور ایک راستہ
وَلَوْ : اور اگر
شَآءَ : چاہتا
اللّٰهُ : اللہ
لَجَعَلَكُمْ : تو وہ بناتا تم کو
اُمَّةً وَّاحِدَةً : ایک امت
وَّلٰكِنْ : اور لیکن (اس نے فرق رکھا تم میں)
لِّيَبْلُوَكُمْ : تاکہ وہ آزمائے تم کو
فِيْ مَآ : اس میں جو
اٰتٰىكُمْ : اس نے دیا تم کو
فَاسْتَبِقُوا : پس سبقت کرو
الْخَيْرٰتِ : بھلائیوں میں
اِلَى اللّٰهِ : اللہ کی طرف ہی
مَرْجِعُكُمْ : تمہارے لوٹنے کی جگہ ہے
جَمِيْعًا : سب کی
فَيُنَبِّئُكُمْ : پھر وہ بتلائے گا تم کو
بِمَا : وہ
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ : جس میں تم لوگ اختلاف کیا کرتے تھے
وَاَنِ : اور یہ کہ
احْكُمْ : آپ فیصلہ کریں
بَيْنَهُمْ : ان کے درمیان
بِمَآ : اس سے جو
اَنْزَلَ : نازل کیا
اللّٰهُ : اللہ نے
وَلَا تَتَّبِعْ : اور آپ پیروی مت کریں
اَهْوَآءَهُمْ : ان کی خواہشات کی
وَاحْذَرْهُمْ : اور ان سے محتاط رہیں
اَنْ : کہ (کہیں)
يَّفْتِنُوْكَ : وہ لوگ پھسلا دیں آپ کو
عَنْ بَعْضِ مَآ : اس کے بعض سے جو
اَنْزَلَ : نازل کیا
اللّٰهُ : اللہ نے
اِلَيْكَ : آپ کی طرف
فَاِنْ : پھر اگر
تَوَلَّوْا : وہ روگردانی کریں
فَاعْلَمْ : تو جان لو
اَنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
يُرِيْدُ : چاہتا ہے
اللّٰهُ : اللہ
اَنْ : کہ
يُّصِيْبَهُمْ : وہ نشانہ بنائے ان کو
بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ : ان کے گناہوں کے کچھ سے
وَاِنَّ : اور یقیناً
كَثِيْرًا : بہتیرے
مِّنَ النَّاسِ : لوگوں میں سے
لَفٰسِقُوْنَ : تو حکم عدولی کرنے والے ہیں
اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ : تو کیا جاہلیت کا فیصلہ
يَبْغُوْنَ : وہ چاہتے ہیں
وَمَنْ : اور کون
اَحْسَنُ : زیادہ اچھا ہے
مِنَ اللّٰهِ : اللہ سے
حُكْمًا : بلحاظ فیصلہ کرنے کے

لِقَوْمٍ : ایسے لوگوں کے لیے   یُّوْقِنُوْنَ : جو یقین کرتے ہیں

نوٹ ۱: قرآن مجید کو ''اَلْکِتٰب'' پر محافظ اور نگران کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمام برحق تعلیمات کو' جو پچھلی آسمانی کتابوں میں دی گئی تھیں' اپنے اندر محفوظ کر لیا ہے۔ اب ان تعلیمات کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا۔ گزشتہ کتابوں میں خدا کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہو گئی ہے' قرآن کی شہادت سے ان کو پھر چھانٹا جا سکتا ہے۔ جو کچھ قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام ہے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے (یعنی جو طریقہ اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا وہ جاہلیت ہے)۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے' کیونکہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کی ہے۔ اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے' جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل از اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں علم کے بغیر وہم وگمان اور خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جس دور میں بھی اور جہاں کہیں بھی انسان اختیار کرے گا اسے بہرحال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنون واوہام اور قیاسات وخواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے۔ (تفہیم القرآن)

مولانا مودودیؒ کی مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ''جاہلیت'' محض ایک لفظ نہیں بلکہ قرآن مجید کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کسی بھی معاشرے کے' یہاں تک کہ کسی مسلم معاشرے کے بھی' وہ رسم ورواج اور طور طریقے شامل ہیں جو غیر اسلامی ہیں' خواہ وہ Anti Islamic ہوں یا Un-Islamic ہوں۔ قرآن مجید میں یہ اصطلاح چار جگہ آئی ہے اور ہر جگہ جاہلیت کی کسی مخصوص جہت (dimension) کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کو سمجھ لینے سے کسی بھی معاشرے کا تجزیاتی جائزہ لینے میں بہت مدد ملتی ہے۔

(۱) سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۴ میں ''ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے' یعنی جاہلیت کا گمان اور مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اب ہم اس کا ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غیر اسلامی گمان۔ یہ اعتقادی گمراہی کی جہت ہے۔ پاکستان کے مسلم معاشرے میں اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے بلّی کے راستہ کاٹ جانے کو منحوس خیال کرنا یا رشتے کے بھائی بہنوں (چچازاد' ماموں زاد وغیرہ) کا ایک دوسرے سے پردہ کرنے کو دقیانوسیت سمجھنا۔

(۲) اس کے بعد سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۰ میں ''حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے' یعنی جاہلیت کا فیصلہ۔ یہ قانونی گمراہی کی جہت ہے۔ آج کل جیسے رجم کی سزا کا انکار کرنا یا ہاتھ کاٹنے اور برسرعام کوڑے مارنے کی سزا کو وحشیانہ قرار دینا۔

(۳) اس کے بعد سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ میں ''تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے' یعنی جاہلیت کا دکھاوا کرنا۔ یہ

خود کو نمایاں کرنے اور نمود و نمائش کی جہت ہے۔ آج کل جیسے شادی بیاہ میں روشنی کا اہتمام کرنا یا بیوٹی پارلر میں بالوں‘ آنکھ کی پلکوں اور بھنووں وغیرہ کی تراش خراش کرانا۔

(۴) اس کے بعد سورۃ الفتح کی آیت ۲۶ میں ’’حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ‘‘ آیا ہے یعنی جاہلیت کی حمیت۔ یہ غیرت اور خودداری میں گمراہی کی جہت ہے۔ آج کل جیسے غیرت کے نام پر قتل کرنا یا بیک وقت تین طلاق دینے کو درست سمجھنا جبکہ یہ گناہ ہیں۔

آیات ۵۱ تا ۵۶

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝ فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ۝ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ؗ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ۝ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝

ج ھ د

جَھَدَ یَجْھَدُ (ف) جَھْدًا : کسی کام میں طاقت صرف کرنا‘ کوشش کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

جُھْدٌ (اسم ذات) : کوشش‘ محنت۔ ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ﴾ (التوبۃ:۷۹) ’’اور ان لوگوں کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔‘‘

جَاھَدَ (مفاعلہ) مُجَاھَدَۃً: کسی کے مقابلے پر محنت صرف کرنا‘ کشمکش کرنا۔ ﴿وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ﴾ (العنکبوت:۶) ’’اور جس نے کشمکش کی تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کشمکش کرتا ہے اپنے ہی لیے۔‘‘

جَاھِدْ (فعل امر): تو کشمکش کر‘ جدوجہد کر۔ ﴿وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا۝۵۲﴾ (الفرقان) ’’اور آپ ان سے جدوجہد کریں اس (یعنی قرآن) سے جیسے کہ بڑی جدوجہد کرنے کا حق ہے۔‘‘

ل و م

لَامَ یَلُوْمُ (ن) لَوْمًا : برا بھلا کہنا‘ ملامت کرنا۔ ﴿فَذٰلِکُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْہِ ؕ﴾ (یوسف:۳۲) ’’تو یہ وہ ہے تم عورتوں نے ملامت کی مجھ کو جس کے بارے میں۔‘‘

لُمْ (فعل امر) : تو ملامت کر۔ ﴿فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ﴾ (ابراھیم:۲۲) ''پس تم لوگ ملامت مت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنے آپ کو۔''

لَوْمَۃٌ (اسم ذات) : ملامت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

لَائِمٌ (اسم الفاعل) : ملامت کرنے والا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

مَلُوْمٌ (اسم المفعول) : ملامت کیا ہوا۔ ﴿فَتَوَلَّ عَنۡہُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿۵۴﴾﴾ (الذّٰریٰت) ''پس آپ منہ پھیر لیں ان سے تو آپ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں (یعنی آپ پر کوئی الزام نہیں ہے)۔''

لَوَّامٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : بار بار ملامت کرنے والا۔ ﴿وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾﴾ (القیامۃ) ''اور نہیں! میں قسم کھاتا ہوں بار بار ملامت کرنے والے نفس کی۔''

اَلَامَ یُلِیْمُ (افعال) اِلَامَۃً : اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

مُلِیْمٌ (اسم الفاعل) : خود کو ملامت کرنے والا۔ ﴿فَنَبَذۡنٰہُمۡ فِی الۡیَمِّ وَہُوَ مُلِیۡمٌ ﴿ؕ۴۰﴾﴾ (الذّٰریٰت) ''تو ہم نے پھینکا ان کو پانی میں اس حال میں کہ وہ خود کو ملامت کرنے والا تھا۔''

تَلَاوَمَ (تفاعل) تَلَاوُمًا : ایک دوسرے کو ملامت کرنا۔ ﴿فَاَقۡبَلَ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾﴾ (القلم) ''تو ان کے بعض سامنے آئے بعض کے ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے۔''

ح ز ب

حَزَبَ یَحْزُبُ (ن) حَزْبًا : سخت ہونا' مضبوط ہونا۔

حِزْبٌ ج اَحْزَابٌ : مضبوط جتھا یا گروہ' لشکر۔ ﴿وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ یُّنۡکِرُ بَعۡضَہٗ ؕ﴾ (الرعد:۳۶) ''اور گروہوں میں وہ بھی ہیں جو انکار کرتے ہیں اس کے بعض کا۔''

ترکیب

''یُسَارِعُوْنَ'' کی ضمیر فاعلی ''ھُمْ'' ہے جو کہ ''اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ'' کے لیے ہے' جبکہ ''فِیْھِمْ'' کی ضمیر یہود اور نصاریٰ کے لیے ہے۔ ''بِالْفَتْحِ'' کی ''بَا'' پر عطف ہونے کی وجہ سے ''اَمْرٍ'' مجرور ہوا ہے۔ ''فَیُصْبِحُوْا'' کا فاسببیہ ہے۔ ''جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ'' مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف ''جَھْدَ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ پورا مرکب فعل محذوف ''جَھَدُوْا'' کا مفعول مطلق ہے۔ ''یُحِبُّھُمْ'' کی ضمیر فاعلی ''ھُوَ'' ہے جو اللہ کے لیے ہے اور ''یُحِبُّوْنَہٗ'' کی ضمیر فاعلی ''ھُمْ'' ہے' جو ''بِقَوْمٍ'' کے لیے ہے۔ ''بِقَوْمٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے ''اَذِلَّۃٍ'' اور ''اَعِزَّۃٍ'' مجرور ہیں۔ ''حِزْبٌ'' اسم جمع ہے' اس لیے اس کی خبر ''الْغٰلِبُوْنَ'' جمع آئی ہے۔

ترجمہ:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ : اے لوگو! جو	اٰمَنُوْا : ایمان لائے
لَا تَتَّخِذُوا : تم مت بناؤ	الْیَھُوْدَ : یہودیوں کو
وَالنَّصٰرٰۤی : اور نصرانیوں کو	اَوْلِیَآءَ : کارساز

بَعْضُهُمْ: ان کے بعض	اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ: بعض کے کارساز ہیں
وَمَنْ: اور جو	يَتَوَلَّهُمْ: دوستی کرے گا ان سے
مِّنْكُمْ: تم میں سے	فَاِنَّهٗ: تو یقیناً وہ
مِنْهُمْ: ان میں سے ہے	اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
لَا يَهْدِي: ہدایت نہیں دیتا	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: ظالم لوگوں کو
فَتَرَى: پس تو دیکھے گا	الَّذِيْنَ: ان کو جن کے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ: دلوں میں	مَّرَضٌ: ایک روگ ہے
يُّسَارِعُوْنَ: (کہ) وہ لپکتے ہیں	فِيْهِمْ: ان میں
يَقُوْلُوْنَ: (اور) کہتے ہیں	نَخْشٰى: ہم ڈرتے ہیں
اَنْ: کہ	تُصِيْبَنَا: آن لگے ہم کو
دَآئِرَةٌ: کوئی گردش	فَعَسَى: تو قریب ہے
اللّٰهُ: اللہ	اَنْ: کہ
يَّاْتِيَ: وہ لے آئے	بِالْفَتْحِ: فتح
اَوْ: یا	اَمْرٍ: کوئی حکم
مِّنْ عِنْدِهٖ: اپنے پاس سے	فَيُصْبِحُوْا: نتیجتاً وہ ہو جائیں
عَلٰى مَآ: اس پر جو	اَسَرُّوْا: انہوں نے چھپایا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ: اپنے جیوں میں	نٰدِمِيْنَ: ندامت کرنے والے
وَيَقُوْلُ: اور کہیں گے	الَّذِيْنَ: وہ لوگ جو
اٰمَنُوْٓا: ایمان لائے	اَ: کیا
هٰٓؤُلَآءِ: یہ	الَّذِيْنَ: وہ لوگ ہیں جنہوں نے
اَقْسَمُوْا: قسم کھائی	بِاللّٰهِ: اللہ کی
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ: جیسا کہ اپنی قسموں سے کوشش کرنے کا حق ہے	اِنَّهُمْ: کہ وہ لوگ
لَمَعَكُمْ: ضرور تمہارے ساتھ ہیں	حَبِطَتْ: اکارت ہوئے
اَعْمَالُهُمْ: ان کے اعمال	فَاَصْبَحُوْا: تو وہ ہو گئے
خٰسِرِيْنَ: خسارہ پانے والے	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ: اے لوگو جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے	مَنْ: جو
يَّرْتَدَّ: پھرے گا	مِنْكُمْ: تم میں سے

عَنْ دِيْنِهٖ : اپنے دین سے	فَسَوْفَ : تو عنقریب
يَاْتِي : لائے گا	اللّٰهُ : اللہ
بِقَوْمٍ : ایک ایسی قوم	يُّحِبُّهُمْ : وہ محبت کرے گا جن سے
وَيُحِبُّوْنَهٗٓ : اور وہ محبت کریں گے اس سے	اَذِلَّةٍ : نرم ہوں گے
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ : مؤمنوں پر	اَعِزَّةٍ : سخت ہوں گے
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ : کافروں پر	يُجَاهِدُوْنَ : وہ جدوجہد کریں گے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں	وَلَا يَخَافُوْنَ : اور وہ نہیں ڈریں گے
لَوْمَةَ لَآئِمٍ : کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے	ذٰلِكَ : یہ
فَضْلُ اللّٰهِ : اللہ کا فضل ہے	يُؤْتِيْهِ : وہ دیتا ہے اسے
مَنْ : اس کو جسے	يَّشَآءُ : وہ چاہتا ہے
وَاللّٰهُ : اور اللہ	وَاسِعٌ : وسعت رکھنے والا ہے
عَلِيْمٌ : علم والا ہے	اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
وَلِيُّكُمُ : تمہارا کارساز	اللّٰهُ : اللہ ہے
وَرَسُوْلُهٗ : اور اس کے رسولؐ ہیں	وَالَّذِيْنَ : اور وہ لوگ ہیں جو
اٰمَنُوا : ایمان لائے	الَّذِيْنَ : جو لوگ (کہ)
يُقِيْمُوْنَ : قائم رکھتے ہیں	الصَّلٰوةَ : نماز کو
وَيُؤْتُوْنَ : اور پہنچاتے ہیں	الزَّكٰوةَ : زکوٰۃ کو
وَهُمْ : اور وہ لوگ	رٰكِعُوْنَ : جھکنے والے ہیں
وَمَنْ : اور جو	يَّتَوَلَّ : دوستی کرے گا
اللّٰهَ : اللہ سے	وَرَسُوْلَهٗ : اور اس کے رسولؐ سے
وَالَّذِيْنَ : اور ان لوگوں سے جو	اٰمَنُوْا : ایمان لائے
فَاِنَّ : تو بے شک	حِزْبَ اللّٰهِ : اللہ کی جماعت
هُمُ الْغٰلِبُوْنَ : ہی غالب ہونے والی ہے	

نوٹ ا: آیات زیر مطالعہ کے نزول کے وقت تک عرب میں کفر اور اسلام کی کشمکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اسلام ایک طاقت بن چکا تھا لیکن مقابل کی طاقتیں بھی زبردست تھیں۔ اس وقت عرب میں عیسائیوں اور یہودیوں کی معاشی قوت سب سے زیادہ تھی۔ عرب کے سرسبز وشاداب خطے ان کے قبضے میں تھے۔ ان کے سودی

قرضوں کا جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے دائرۂ اسلام میں شامل کچھ دنیا پرستی کے روگی لوگوں کو خطرہ تھا کہ اسلام کا ساتھ دیتے ہوئے ان سب قوموں سے تعلقات منقطع کرنا سیاسی اور معاشی دونوں لحاظ سے خطرناک ہوگا۔ (تفہیم القرآن)

کفر و اسلام کی کشمکش کی جو صورتحال ان آیات کے نزول کے وقت عرب میں تھی' بالکل وہی صورت حال آج پوری دنیا میں ہے۔ آج بھی مسلم امت میں جہاں کچھ مخلص دیوانے ہیں' وہیں دنیا پرست فرزانے بھی ہیں جو کافر قوموں سے قطع تعلق کو خودکشی قرار دے رہے ہیں' کیونکہ کفار کی معاشی اور فوجی برتری ناقابلِ تسخیر نظر آ رہی ہے۔ لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ بالآخر مسلم امت ہی غالب ہونے والی ہے۔ (ان شاء اللہ!)

یہ بات بھی ذہن میں واضح رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت سے کافروں سے تعلقات کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں ہے۔ پورے قرآن مجید' سنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو سامنے رکھ کر جو لائحہ عمل بنتا ہے اس کی وضاحت آل عمران: ۲۸ کے نوٹ ا میں کی جا چکی ہے۔ اس لحاظ سے آج (۱۵/دسمبر ۲۰۰۲ء) تک امریکہ' برطانیہ' بھارت اور اسرائیل کافر حربی کے زمرے میں آتے ہیں' باقی غیر مسلم ممالک کو فی الحال کافر حربی قرار دینا محل نظر ہے۔

نوٹ ۲: آیت ۵۱ میں کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ قرآن کی پیشین گوئیوں میں سے ایک ایسی پیشین گوئی ہے جو اب پوری ہوئی ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں۔ اس لیے اس آیت کے نزول کے وقت یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے اور ان کی یہ دشمنی بیسویں صدی کے وسط تک قائم تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس وقت وہاں مدتوں سے عیسائی حکومت تھی اور انہوں نے وہاں یہودیوں کے داخلے پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو یروشلم میں آنے اور وہاں آباد ہونے کی اجازت دی تھی۔ ۱۹۳۹ء کی دوسری عالمی جنگ سے پہلے جرمنی میں ہٹلر نے یہودیوں کا قتل عام کیا تو وہ لوگ جرمنی سے بھاگ کر یورپ کے ممالک میں پناہ گزین ہوئے۔ اُس وقت کوئی عیسائی ملک انہیں اپنے ہاں آباد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ پھر بڑی کوششوں سے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہر ملک کے لیے یہودیوں کو آباد کرنے کا کوٹہ مقرر کیا گیا۔ کیوبا اور امریکہ میں آباد کیے جانے والے یہودیوں کو لے کر ایک بحری جہاز یورپ سے روانہ ہوا۔ جب وہ کیوبا پہنچا تو وہاں کی حکومت نے اپنے کوٹے کے صرف بیس فیصد افراد کو اترنے کی اجازت دی اور باقی کو لینے سے انکار کر دیا۔ جب یہ جہاز امریکہ پہنچا تو انہوں نے ایک آدمی کو بھی اترنے کی اجازت نہیں دی اور سب کو لے کر جہاز کو یورپ واپس آنا پڑا۔ پھر موجودہ پوپ جان پال سے پہلے والے پوپ صاحب نے یہودیوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا خون معاف کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست بنے۔ اس طرح یہ قرآنی پیشین گوئی پوری ہوئی ہے۔

آیات ۵۷ تا ۶۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝

ل ع ب

لَعَبَ يَلْعَبُ (ف) لَعْبًا: بچے کے منہ سے رال ٹپکنا' لعاب نکلنا۔

لَعِبَ يَلْعَبُ (س) لَعِبًا: تفریح کے لیے کوئی کام کرنا' کھیلنا۔ ﴿اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۹۸﴾ (الاعراف) ''اور کیا امن میں ہو گئے بستی والے اس سے کہ ان کے پاس آئے ہماری سختی دن کے وقت اس حال میں کہ وہ کھیلتے ہوں!''

لَعِبٌ (اسم ذات): کھیل کود' تفریح۔ آیت زیر مطالعہ۔

لَاعِبٌ (اسم الفاعل): کھیلنے والا' کھلاڑی۔ ﴿اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۵۵﴾ (الانبیاء) ''کیا تو لایا ہمارے پاس حق یا تو کھیلنے والوں میں سے ہے؟''

ترکیب

''لَا تَتَّخِذُوْا'' کے مفعول اول ''اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا'' اور ''اَلْكُفَّارَ'' ہیں' جبکہ اس کا مفعول ثانی ''اَوْلِيَاۗءَ'' ہے۔ ''اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا'' کا مفعول اول ''دِيْنَكُمْ'' جبکہ اس کے مفعول ثانی ''هُزُوًا'' اور ''لَعِبًا'' ہیں۔ ''مِنَ الَّذِيْنَ'' کا ''مِنْ'' بیانیہ ہے۔ ''اِتَّخَذُوْهَا'' کی ضمیر مفعولی ''نَادَيْتُمْ'' کے مصدر ''مُنَادَاةٌ'' کے لیے ہے۔ ''اُنَبِّئُكُمْ'' کا مفعول ''بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ'' ہے اور ''شَرٌّ'' افعل تفضیل ہے (دیکھیں آسان عربی گرامر' پیراگراف ۶۱:۶) جبکہ ''مَثُوْبَةً'' اس کی تمیز ہے۔ ''شَرٌّ'' بھی افعل تفضیل ہے اور ''مَكَانًا'' اس کی تمیز ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ: اے لوگو! جو	اٰمَنُوْا: ایمان لائے
لَا تَتَّخِذُوْا: تم مت بناؤ	الَّذِيْنَ: ان لوگوں کو جنہوں نے
اتَّخَذُوْا: بنایا	دِيْنَكُمْ: تمہارے دین کو
هُزُوًا: تمسخر	وَّلَعِبًا: اور تفریح

مِنَ الَّذِيْنَ : ان لوگوں میں سے جن کو

الْكِتٰبَ : کتاب

وَالْكُفَّارَ : اور (نہ ہی) کافروں کو

وَاتَّقُوا : اور تقویٰ اختیار کرو

اِنْ : اگر

مُّؤْمِنِيْنَ : ایمان لانے والے

نَادَيْتُمْ : تم پکارتے ہو

اتَّخَذُوْهَا : تو وہ بناتے ہیں اس کو

وَّلَعِبًا : اور تفریح

قَوْمٌ : ایک ایسی قوم ہیں جو

قُلْ : آپ کہہ دیجیے

هَلْ تَنْقِمُوْنَ : تم کیا برا مانتے ہو

اِلَّآ اَنْ : سوائے اس کے کہ

بِاللّٰهِ : اللہ پر

اُنْزِلَ : نازل کیا گیا

وَمَآ : اور اس پر جو

مِنْ قَبْلُ : اس سے پہلے

اَكْثَرَكُمْ : تمہارے اکثر لوگ

قُلْ : آپ کہہ دیجیے

اُنَبِّئُكُمْ : میں خبر دوں تم لوگوں کو

مَثُوْبَةً : بطور بدلے کے

مَنْ : وہ لوگ

اللّٰهُ : اللہ نے

عَلَيْهِ : جن پر

مِنْهُمُ : جن میں سے

وَالْخَنَازِيْرَ : اور سؤر

الطَّاغُوْتَ : طاغوت کی

شَرٌّ : سب سے زیادہ برے ہیں

اُوْتُوا : دی گئی

مِنْ قَبْلِكُمْ : تم سے پہلے

اَوْلِيَآءَ : (اپنا) کارساز

اللّٰهَ : اللہ کا

كُنْتُمْ : تم ہو

وَاِذَا : اور جب بھی

اِلَى الصَّلٰوةِ : نماز کی طرف

هُزُوًا : تمسخر

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ : یہ اس لیے کہ وہ

لَّا يَعْقِلُوْنَ : عقل استعمال نہیں کرتے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ : اے اہل کتاب

مِنَّآ : ہم سے

اٰمَنَّا : ہم ایمان لائے

وَمَآ : اور اس پر جو

اِلَيْنَا : ہماری طرف

اُنْزِلَ : نازل کیا گیا

وَاَنَّ : اس حال میں کہ

فٰسِقُوْنَ : نافرمانی کرنے والے ہیں

هَلْ : کیا

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ : اس سے زیادہ بری چیز کی

عِنْدَ اللّٰهِ : اللہ کے پاس

لَّعَنَهُ : لعنت کی جن پر

وَغَضِبَ : اور اس نے غضب کیا

وَجَعَلَ : اور اس نے بنایا

الْقِرَدَةَ : بندر

وَعَبَدَ : اور جنہوں نے غلامی کی

اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ

مَّكَانًا : بلحاظ ٹھکانے کے

وَاَضَلُّ: اور سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں — عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ: درمیانی راہ سے

وَاِذَا: اور جب بھی — جَآءُوْكُمْ: وہ آتے ہیں تمہارے پاس

قَالُوْٓا: تو کہتے ہیں — اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے

وَ: حالانکہ — قَدْ دَّخَلُوْا: وہ داخل ہوئے ہیں

بِالْكُفْرِ: کفر کے ساتھ — وَهُمْ: اور وہ

قَدْ خَرَجُوْا: نکلے ہیں — بِهٖ: اس کے ساتھ

وَاللّٰهُ: اور اللہ — اَعْلَمُ: خوب جانتا ہے

بِمَا: اس کو جو — كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ: وہ چھپایا کرتے ہیں

آیات ۶۲ تا ۶۶

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ
مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا
وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ
اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ
الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ
مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ط ف ء

طَفِئَ يَطْفَؤُ (س) طُفُوْءً: کسی چیز کی روشنی کا ختم ہو جانا‘ آگ کا بجھ جانا۔

اَطْفَاَ (افعال) اِطْفَاءً: روشنی کو ختم کرنا‘ آگ بجھانا۔ آیت زیر مطالعہ

ق ص د

قَصَدَ يَقْصِدُ (ض) قَصْدًا: اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا۔

اِقْصِدْ (فعل امر): تو میانہ روی اختیار کر۔ ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ (لقمان:۱۹) ”اور تو میانہ روی اختیار کر اپنی چال میں۔“

قَصْدٌ: کسی چیز کا اوسط‘ درمیان۔ ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ (النحل:۹) ”اور اللہ پر ہے راستے کا اعتدال (یعنی اسے واضح کرنا)۔“

قَاصِدٌ (فَاعِلٌ کے وزن پر صفت) : درمیان میں ہونے والا' یعنی درمیانی' متوسط۔ ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ﴾ (التوبۃ:٤٢) ''اگر ہوتا کوئی قریبی سامان اور درمیانی سفر تو وہ لوگ ضرور پیروی کرتے آپؐ کی۔''

اِقْتَصَدَ (افتعال) اِقْتِصَادًا : اہتمام سے میانہ رو ہونا۔

مُقْتَصِدٌ (اسم الفاعل) : اہتمام سے میانہ روی اختیار کرنے والا' یعنی میانہ رو۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

كَثِيْرًا صفت ہے' اس کا موصوف ''رِجَالًا'' محذوف ہے۔ ''فِيْ'' پر عطف ہونے کی وجہ سے ''اَكْلِهِمُ'' کا مضاف ''اَكْلِ'' مجرور ہوا اور اس مصدر نے فعل کا عمل کیا ہے' ''السُّحْتَ'' اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح ''قَوْلِهِمُ'' کے مصدر ''قَوْلِ'' کا مفعول ''الْاِثْمَ'' ہے۔ ''لَوْلَا'' کے بعد فعل مضارع ''يَنْهٰى'' آیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا ترجمہ ہوگا (دیکھیں البقرۃ:٦٤' نوٹ ١)۔ ''اَلْيَهُوْدُ'' عاقل کی جمع مکسر ہے' اس لیے واحد مؤنث ''قَالَتْ'' بھی جائز ہے۔ ''يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ'' اگر ''قَالَتْ'' کا مفعول ہوتا تو پھر ''يَدَ اللّٰهِ'' آتا۔ ''يَدُ'' کی رفع بتارہی ہے کہ یہود جس طرح کہتے تھے' ان کی بات کو ویسے ہی یعنی direct tense میں نقل کیا گیا ہے۔ عربی میں اعراب کی سہولت موجود ہونے کی وجہ سے مقولہ direct tense کی پہچان کے لیے کوئی شناختی نشان لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی' جیسے کہ انگریزی میں ضرورت ہوتی ہے۔ ''يَدٰهُ'' میں ''يَدَا'' دراصل ''يَدَانِ'' تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نونِ اعرابی گرا ہوا ہے اور ''هٗ'' کی ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے۔ ''يَدٌ'' مؤنث سماعی ہے اس لیے اس کی خبر میں ''مَبْسُوْطَةٌ'' کا تثنیہ ''مَبْسُوْطَتٰنِ'' آیا ہے۔ ''لَيَزِيْدَنَّ'' کا مفعول ''كَثِيْرًا'' ہے اور یہاں بھی ''رِجَالًا'' محذوف ہے' جبکہ اس کا فاعل ''مَا اُنْزِلَ'' ہے۔ ''طُغْيَانًا'' اور ''كُفْرًا'' اس کی تمیز ہیں۔ آیت ٦٥' ٦٦' دونوں میں ''لَوْ'' شرطیہ ہیں۔ اس لیے افعال ماضی کا ترجمہ اس لحاظ سے ہوگا۔ ''سَاءَ'' آفاقی صداقت ہے۔ (دیکھیں البقرۃ:٤٩' نوٹ ٢)

ترجمہ:

وَتَرٰى : اور آپؐ دیکھیں گے	كَثِيْرًا : بہت سے لوگوں کو
مِّنْهُمْ : ان میں سے	يُسَارِعُوْنَ : کہ وہ باہم سبقت کرتے ہیں
فِي الْاِثْمِ : گناہ میں	وَالْعُدْوَانِ : اور زیادتی میں
وَاَكْلِهِمُ : اور اپنے کھانے میں	السُّحْتَ : ناپاک کمائی کو
لَبِئْسَ : یقیناً بہت برا ہے	مَا : وہ جو
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : وہ کیا کرتے ہیں	لَوْلَا : کیوں نہ ایسا ہوا کہ
يَنْهٰىهُمُ : روکتے ان کو	الرَّبّٰنِيُّوْنَ : اللہ والے
وَالْاَحْبَارُ : اور علماء	عَنْ قَوْلِهِمُ : ان کی بات سے

الْاِثْمِ: گناہ کی

السُّحْتَ: ناپاک کمائی کو

مَا: وہ جو

وَقَالَتِ: اور کہا

يَدُ اللّٰهِ: اللہ کا ہاتھ

غُلَّتْ: باندھے گئے

وَلُعِنُوْا: اور ان پر لعنت کی گئی

قَالُوْا: انہوں نے کہا

يَدٰهُ: اس کے دونوں ہاتھ

يُنْفِقُ: وہ خرچ کرتا ہے

يَشَآءُ: وہ چاہتا ہے

كَثِيْرًا: بہت سے لوگوں کو

مَّآ: وہ جو

اِلَيْكَ: آپ کی طرف

طُغْيَانًا: بلحاظ سرکشی کے

وَاَلْقَيْنَا: اور ہم نے ڈالا

الْعَدَاوَةَ: عداوت

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن تک

اَوْقَدُوْا: وہ بھڑکاتے ہیں

لِّلْحَرْبِ: لڑائی کے لیے

اللّٰهُ: اللہ

فِى الْاَرْضِ: زمین میں

وَاللّٰهُ: اور اللہ

الْمُفْسِدِيْنَ: نظم بگاڑنے والوں کو

اَهْلَ الْكِتٰبِ: اہل کتاب

وَاتَّقَوْا: اور تقویٰ اختیار کریں

عَنْهُمْ: ان سے

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ: اور ہم داخل کریں گے ان کو

وَاَكْلِهِمُ: اور ان کے کھانے سے

لَبِئْسَ: یقیناً بہت برا ہے

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ: وہ ہنرمندی کیا کرتے ہیں

الْيَهُوْدُ: یہودیوں نے

مَغْلُوْلَةٌ: بندھا ہوا ہے

اَيْدِيْهِمْ: ان کے ہاتھ

بِمَا: بسبب اس کے جو

بَلْ: بلکہ

مَبْسُوْطَتٰنِ: کھلے ہوئے ہیں

كَيْفَ: جیسے

وَلَيَزِيْدَنَّ: اور لازماً زیادہ کرے گا

مِّنْهُمْ: ان میں سے

اُنْزِلَ: نازل کیا گیا

مِنْ رَّبِّكَ: آپ کے رب (کی طرف سے)

وَّكُفْرًا: اور بلحاظ انکار کے

بَيْنَهُمُ: ان کے مابین

وَالْبَغْضَآءَ: اور بغض

كُلَّمَآ: جب بھی

نَارًا: کوئی آگ

اَطْفَاَهَا: تو بجھاتا ہے اس کو

وَيَسْعَوْنَ: اور وہ تگ و دو کرتے ہیں

فَسَادًا: نظم بگاڑنے میں

لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا

وَلَوْ اَنَّ: اور اگر یہ کہ

اٰمَنُوْا: ایمان لائیں

لَكَفَّرْنَا: تو ہم دور کردیں گے

سَيِّاٰتِهِمْ: ان کی برائیوں کو

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ: ہمیشہ سرسبزی کے باغات میں

وَلَوْ اَنَّهُمْ : اور اگر یہ کہ وہ لوگ	اَقَامُوا : قائم کریں
التَّوْرٰىةَ : تورات کو	وَالْاِنْجِيْلَ : اور انجیل کو
وَمَآ : اور اس کو جو	اُنْزِلَ : نازل کیا گیا
اِلَيْهِمْ : ان کی طرف	مِّنْ رَّبِّهِمْ : ان کے رب (کی طرف) سے
لَاَكَلُوْا : تو وہ کھائیں گے	مِنْ فَوْقِهِمْ : اپنے اوپر سے
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ : اور اپنے پیروں کے نیچے سے	مِنْهُمْ : ان میں
اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ : ایک میانہ رو گروہ ہے	وَكَثِيْرٌ : اور اکثر
مِّنْهُمْ : ان میں سے	سَآءَ : برا ہے
مَا : وہ جو	يَعْمَلُوْنَ : وہ کرتے ہیں

نوٹ : رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کسی قوم میں گناہ کے کام کیے جائیں اور کوئی آدمی اس قوم میں رہتا ہے اور ان کو منع نہیں کرتا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر عذاب بھیج دے۔ حضرت یوشع علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کی قوم کے ایک لاکھ آدمی عذاب سے ہلاک کیے جائیں گے' جن میں چالیس ہزار نیک لوگ ہیں اور ساٹھ ہزار بدعمل ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: رب العالمین! بدکاروں کی ہلاکت کی وجہ تو ظاہر ہے لیکن نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کیا جا رہا ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ یہ نیک لوگ ان بدکاروں کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے' ان کے ساتھ کھانے پینے اور ہنسی دل لگی میں شریک رہتے تھے' میری نافرمانیاں اور گناہ دیکھ کر بھی ان کے چہرے پر کوئی ناگواری کا اثر تک نہ آیا۔ (معارف القرآن)

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے　　اشاعتِ عام: 35 روپے

رسول اللہ ﷺ کی اپنی اُمت سے محبت

مدرّس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اِبْرَاهِیْمَ: ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ وَقَالَ عِیْسٰی ؑ: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ فَرَفَعَ یَدَیْهِ وَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ)) وَبَکٰی، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: یَا جِبْرِیْلُ اذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ — وَرَبُّكَ اَعْلَمُ — فَسَلْهُ مَا یُبْکِیْكَ؟ فَاَتَاهُ جِبْرِیْلُ فَسَاَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا قَالَ — وَهُوَ اَعْلَمُ — فَقَالَ اللّٰهُ: یَا جِبْرِیْلُ اذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم ؑ کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾﴾ (ابرٰھیم) ''میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' پس جو لوگ میری پیروی کریں' وہی میرے ہیں اور جو میری نافرمانی کریں پس تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے''۔ اور قرآن پاک میں موجود حضرت عیسیٰ ؑ کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ (المائدۃ) ''اے اللہ! اگر تو میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں' اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہے ہی غالب اور حکمت والا''۔ یعنی آپ کو عذاب و سزا کا پورا حق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے میرے اللہ! میری اُمت' میری اُمت!'' اور آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو فرمایا: تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ —— اور اگرچہ تمہارا ربّ سب کچھ خوب جانتا ہے —— مگر پھر بھی تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو کہ آپ کے اس رونے کا سبب کیا ہے؟ پس جبریلؑ آپ کے پاس آئے اور آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے جبریل کو رونے کی وجہ بتا دی۔ (یعنی یہ کہ اس وقت میرے رونے کا سبب اُمت کی فکر ہے۔ جبریل نے جا کر اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر دی) —— حالانکہ وہ تو ہر چیز کا جاننے والا ہے —— پس اللہ تعالیٰ نے جبریل کو فرمایا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ' اور ان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچاؤ کہ آپ کی اُمت کے بارے میں ہم آپ کو راضی اور خوش کر دیں گے اور آپ کو کسی طور پر رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے''۔

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب دعاء النبی لامته وبکائه شفقة علیهم۔

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی دو آیات تلاوت کیں۔ ایک آیت سورۂ ابراہیم کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کی: اے میرے ربّ! ان لوگوں میں سے جنہوں نے میری پیروی کی وہی تو میرے ہیں' اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو آپ غفور رحیم ہیں۔ گویا انہوں نے بڑے ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ میری اُمت کے نافرمان اور خطا کار لوگوں کو بھی بخش دے —— آپ ﷺ نے دوسری آیت سورۃ المائدۃ کی تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے حضور یہ التجا ہے کہ میری اُمت کے یہ لوگ خطا کار ہیں' اگر تو انہیں عذاب دے تو (دے سکتا ہے) وہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو ان کو بخش دے (تو بخش سکتا ہے)۔ تو غالب ہے حکمت والا ہے۔ گویا ان الفاظ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت کے نافرمان لوگوں کے حق میں اللہ کے حضور بخشش کی مؤدبانہ گزارش کر رہے ہیں۔ جب آپ نے ان دو عظیم القدر پیغمبروں کی اپنی اپنی اُمت کے خطا کاروں کے حق میں بخشش کی التجائیں سنیں تو آپ کا دل بھر آیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ اللہ کے حضور دعا کے لیے اٹھائے اور اپنی اُمت کے نافرمانوں کے لیے بخشش کی دعا کرنے لگے۔ آپ پر رقت طاری ہوئی اور آپ رونے لگے اور اُمتی اُمتی پکارنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ سے رونے کا سبب پوچھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے بتایا کہ میں اپنی اُمت کے لیے پریشان ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا کہ محمد (ﷺ) کو جا کر میرا یہ پیغام دے دو کہ ہم آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں خوش کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے دو جلیل القدر پیغمبروں کی دعائیں تلاوت کیں جن میں وہ اپنی اُمت کے گناہگاروں کی معافی اور بخشش کے بارے میں التجا کر رہے ہیں تو آپ ﷺ کو اپنی اُمت کا مسئلہ یاد آ گیا۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رو رو کر اپنی اُمت کے گناہگاروں کے لیے بخشش مانگنے لگے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے حق میں شفیق اور رؤف ہوتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں افضل ہیں۔ رحمت اور راحت کا یہ جذبہ آپ کے اندر بدرجۂ اولیٰ تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ میری اُمت کا کوئی فرد بھی سزا نہ پائے۔ اس خواہش اور دعا کا اظہار آپ نے بار بار فرمایا ہے۔ چنانچہ مختلف احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن لوگوں کے گناہ بے حساب ہوں اور انہیں دوزخ میں ڈالا جانا ناگزیر ہو تو کچھ سزا پا لینے کے بعد انہیں جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس طرح آپ ﷺ کی شفاعت سے بہت سے لوگ جہنم سے چھٹکارا پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔

اس حدیث میں اُمت کے گناہگاروں کے لیے بڑی بشارت ہے۔ تاہم اس حدیث میں یا اس مضمون کی دوسری حدیثوں سے بخشش کی بشارت سن کر گناہوں پر دلیر ہو جانا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ اس ضمن میں یہ یاد رہنا چاہیے کہ دوزخ کے عذاب کا ایک لمحہ بھی قابلِ برداشت نہیں ہے' اس لیے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا سے بھی زیادہ شدید ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد شفیق ہے اور وہ

اپنے بندوں کو کسی صورت عذاب نہیں دینا چاہتا۔ اس نے لوگوں کو جو دین دیا ہے وہ بھی آسان ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدِّیْنُ یُسْرٌ)) کہ دین آسان ہے' اور پھر وہ انسانوں کے لیے تنگی نہیں' بلکہ آسانی چاہتا ہے: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ز﴾ (البقرۃ:۱۸۵) ''اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہارے لیے تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔'' اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ جو شخص بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ وہ خود ہی معاف کر دیتا ہے: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾ (النساء:۳۱) ''اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے باز رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ خود ہی معاف کر دیں گے''۔ اسی طرح بھلائی کا ہر کام جہاں نیکیوں کا باعث ہوتا ہے وہاں گناہوں کو بھی مٹا دیتا ہے' مثلاً وضو کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں۔ نمازیں' روزے' وضو گناہوں کو مٹاتے ہیں۔ حج انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ غرض ہر بھلائی کا کام گناہوں کو مٹاتا ہے۔ جب دین میں اتنی آسانی ہے اور بھلائی کے کام ثواب بھی دیتے ہیں اور گناہ بھی مٹاتے ہیں تو وہ لوگ کتنے بدنصیب ہیں جو ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی جدوجہد نہیں کرتے بلکہ گناہوں پر دلیر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بخشش کی وسعت اور حضور اکرم ﷺ کا اُمتیوں کے حق میں اس قدر شفیق ہونا اور ان کی بخشش کے لیے حق تعالیٰ سے رو رو کر دعا کرنا اُمتیوں کے لیے اُمید افزا ہے' مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ گناہوں میں مشغول ہونا کسی خطرے کا باعث نہیں غلط ہے' بلکہ یہ رویہ انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اگر اس حدیث سے گناہوں پر جری ہونے کا سبق ملتا تو اوّل صحابہ کرام ؓ' پھر تابعین' تبع تابعین اور بزرگانِ اُمت بے عمل ہو کر بیٹھ جاتے' عبادت میں مشقت نہ اٹھاتے' مگر ایسا نہیں ہوا۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ ایک آقا کی بہت اچھی شہرت ہے کہ وہ اپنے نوکر چاکروں پر سختی نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ شفقت اور محبت کا رویہ رکھتا ہے۔ اگر کسی نوکر سے کوئی نقصان ہو جائے مثلاً برتن ٹوٹ جائے تو اس کو سخت سست نہیں کہتا۔ نوکروں میں سے ایک ایسا شخص ہے جو آقا کی نرمی دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اب میں اپنے آقا کی نافرمانی کروں گا اور اس کو خوش کرنے والے نہیں بلکہ اس کی ناپسند کے کام کروں گا تو کیا اس نوکر کا یہ اچھا فیصلہ ہے؟ اس کا جواب یقیناً نفی کی صورت میں ہے' بلکہ نوکر کو تو ایسے شفیق اور مہربان آقا کی خدمت پہلے سے زیادہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس حدیث کو سن کر ہر اُمتی پر لازم ہے کہ آپ ﷺ کی شفقت اور رحمت کی قدر کرے اور آپ کے احکام پر دل و جان سے عمل کرے۔ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کی تو اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں پھر آپ کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں کہ عبادت میں طویل قیام کی وجہ سے آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ جو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیے کہ کچھ گناہ ایسے ہیں جن کو اللہ نے بخشش کے قابل نہیں چھوڑا' مثلاً شرک' یہ ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھی روک دیا ہے کہ وہ کسی مشرک کے لیے بخشش کی دعا کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے مشرک باپ کی بخشش کے لیے دعا سے روک دیا گیا اور حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی

بخشش کے لیے دعا کی اجازت نہیں دی گئی' بلکہ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ (المائدۃ) ''بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ نے اس پر جنت کا داخلہ حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے''۔ لہٰذا اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے ڈرتے ہوئے آپؐ کے احکام پر آپ کی محبت سے سرشار ہو کر عمل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے۔ ہر وقت خاص طور پر صبح تہجد کے وقت اپنی اور سب مسلمانوں کی بخشش کی دعا کرنا چاہیے اور رسول اللہ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھنا چاہیے کہ یہ اللہ کا حکم بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حق بھی کہ وہ اُمت کی بخشش کے حق میں کتنے حریص ہیں۔ ہاں اپنے گناہوں کو یاد کر کے مایوس نہیں ہونا' بلکہ آئندہ گناہوں سے تائب ہو کر سابقہ گناہوں کی بخشش کی اُمید رکھنا اور نیکیوں کا تہیہ کرنا چاہیے۔ ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے حقوق غصب کرنا ایسے گناہ ہیں جو متعلقہ بندوں سے دنیا کی زندگی میں ہی معاف کروانے ہوں گے' کیونکہ مرنے کے بعد جب میزانِ عدل قائم ہوگا تو حق داروں کا حق دینا ہوگا۔ وہاں دینے کو کچھ نہیں ہوگا تو حقوق کے بدلے نیکیاں دینی ہوں گی جن کی اس دن شدید ضرورت ہوگی۔

الغرض ہر مسلمان کو شرک سے بچنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ گناہ ناقابلِ بخشش ہے' چنانچہ شرکیہ افعال سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔ پھر حقوق العباد کے معاملے میں انتہائی فکرمند رہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بموجب جس کے ذمہ کسی کا حق زمین' مکان' جائیداد' روپے پیسے یا گالی گلوچ کی صورت میں ہوگا وہ اسے بہرصورت دینا ہوگا۔ اس میں اللہ تعالیٰ مداخلت نہیں کریں گے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے امیدوار کے لیے لازم ہے کہ وہ شرک کی ہر قسم سے دور رہے اور کسی کا حق اپنے اوپر نہ رہنے دے۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو وہ ضرور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی امید رکھ سکتا ہے۔

بقیہ: الفاتحہ اور قرآن کی سورتوں کا باہمی تعلق

﴿اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (الانعام)

''بے شک میرے ربّ نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی ہے اور یہی وہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم حنیف کا طریق زندگی تھا اور (سیدنا ابراہیم) مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

ایسے شخص کا دل پھر اللہ کی محبت سے معمور ہو جاتا ہے اور زبانِ حال سے وہ پکار اٹھتا ہے:

﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (الانعام)

''بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اللہ کا فرمانبردار بنتا ہوں۔''

اور یہی سورۃ الانعام کا مرکزی مضمون ہے: اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل و براہین کا قائم کرنا۔

کتنی سُرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار!

اویس پاشا قرنی ☆

مؤرخہ ۲ فروری ۲۰۱۴ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت قرآن آڈیٹوریم میں محاضراتِ قرآنی بعنوان "The Process of Creation A Quranic Perspective" کا انعقاد کیا گیا۔ دراصل یہ عنوان مؤسس انجمن محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی اہم فلسفیانہ تحریر 'ایجاد وابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک' تنزل اور ارتقاء کے مراحل'' کے انگریزی ترجمے کا عنوان ہے۔ اس اہم کتاب کو انگریزی قالب میں ڈھالنے کا کام موجودہ صدرِ انجمن محترم ڈاکٹر ابصار احمد نے بڑی عرق ریزی اور مہارت سے انجام دیا ہے۔ اس محاضراتِ قرآنی میں شرکت سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ اس کے انعقاد میں اصل روحِ رواں بھی ڈاکٹر ابصار احمد ہی ہیں۔ یہ پروگرام ہر اعتبار سے بہت مفیدِ مطلب اور کامیاب رہا۔ البتہ اس مختصر تحریر میں اس کانفرنس کی روداد قلم بند کرنا یا تاثرات درج کرنا پیش نظر نہیں ہے' بلکہ ایک اور کتاب اور اُس کی روداد سے قارئین کو باخبر کرنا مقصود ہے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ مذکورہ کانفرنس میں محترم ڈاکٹر ابصار احمد کے خطاب میں ایک کتاب کا بطورِ حوالہ ذکر آیا جو ایک مصری مصنف کی جانب سے اسلام کے تصورِ خلافت کے خلاف لکھی گئی تھی اور مصری علماء نے بعد میں اُس کے خلاف متفقہ فتویٰ جاری کیا تھا۔ اسی روز شام کو بعد نمازِ عصر محترم ڈاکٹر صاحب سے اُن کے دفتر میں ملاقات ہوئی تو راقم نے اس کتاب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں مصر کے ایک عالم شیخ علی عبد الرازق کی تصنیف کے طور پر شائع ہوئی' جس کا نام **"الاسلام واصول الحکم"** ہے۔ اس کتاب پر مصر کی جامعہ ازھر نے موصوف کو درجۂ عالمیت سے معزول کر دیا تھا۔ یہ اشارات راقم کے لیے مزید تحقیق کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور جو کچھ مزید تلاش وجستجو سے سامنے آیا وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ مصر کی تاریخ میں یہ کتاب سب سے زیادہ ردّ وقدح اور بحث وتمحیص کا موضوع رہی ہے۔ اس کے مصنف شیخ علی عبد الرازق جامعہ ازھر کے فاضل تھے اور ایک عدالت میں قاضی شرع کے منصب پر فائز تھے۔ انہیں جامعہ کی جانب سے قضاء اور افتاء کا اہل ہونے کی سند حاصل تھی۔ ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کی تنسیخ کے بعد علمی حلقوں میں مباحثِ خلافت پر بحث کا ازسرِ نو آغاز ہوا تو شیخ علی عبد الرازق نے بھی اپنی تحقیق کا حاصل ۱۹۲۵ء میں قوم کے سامنے پیش کر دیا' جس میں اسلامی تصورِ خلافت سے بغاوت پر مبنی افکار وخیالات کی بھرمار تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ وہی عرصہ ہے جب برصغیر ہندوستان میں بھی مباحثِ خلافت تازہ

☆ awaispasha@quranacademy.com

ہو چکے تھے' مگر اس میں کوئی نہ کوئی رمز ضرور ہے کہ ہندوستان میں اس حوالے سے نقشہ کچھ اور ہی رہا۔ یہاں اولاً تحریکِ خلافت کے عنوان سے ایک بھرپور اور پرجوش تحریک احیاءِ خلافت کے لیے جاری ہوئی اور خوب ولولے اور جوش وخروش کے ساتھ علماء ہی نہیں عوام بھی اُس کا حصہ رہے اور قربانیاں دیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہندو بھی اس قومی تحریک سے علیحدہ نہ رہ سکے اور دوسری جانب اسلامی تصورِ خلافت کی تائید اور توضیح کے لیے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی جانب سے ''مسئلہ خلافت'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ بھی منظرِ عام پر آیا جس نے اس موضوع پر پڑی ہوئی علمی گرد وغبار کو بالکل ہی صاف کر دیا۔

ے صلاح کار کجا و من خراب کجا　　ببیں تفاوتِ راہ کز کجاست تا بہ کجا
چہ نسبت است بہ رندی صلاح وتقویٰ را　　سماعِ وعظ کجا و نغمۂ رباب کجا

(حافظ شیرازیؒ)

(کہاں وہ صلاح کروانے والا اور کہاں میں فساد کروانے والا! دیکھو اس فرق کو کہاں سے کہاں واقع ہوا ہے۔ رندی کو کیا نسبت تقویٰ اور پاکدامنی سے؟ کہاں وعظ کا سننا اور کہاں نغمۂ ورباب سے دل بہلانا!)

مذکورہ کتاب پر ہونے والے معرکہ کی داستان کچھ یوں ہے کہ ۲۲/ محرم ۱۳۴۴ھ بہ مطابق ۱۲/ اگست ۱۹۲۵ء کو شیخ الازہر محمد ابوالفضل کی سربراہی میں چوبیس علماء کرام جو مصر کی **ھیئۃ کبار العلماء** کے اراکین تھے' **دار الادارۃ العامۃ للمعاید الدینیہ** میں جمع ہوئے اور ''**الاسلام و اصول الحکم**'' کے مندرجات پر محاکمہ کیا اور اس رائے پر پہنچے کہ اس کتاب میں کئی امور ایسے ہیں جو کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے متصادم ہیں۔ مزید برآں سات نکات کی خصوصاً نشاندہی کی گئی:

(۱) مصنف نے شریعتِ اسلامیہ کو صرف روحانیت کا حامل بتایا ہے اور کہا ہے کہ اسلام کا کوئی تعلق امورِ دنیا' تنفیذِ احکام اور حکومت وسلطنت سے نہیں ہے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ کا جہاد امورِ سلطنت اور اُس کی توسیع سے متعلق تھا' نہ کہ امورِ دین یا دعوتِ اسلامی کو تمام عالَم تک پہنچانے کے لیے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ کے عہد میں پایا جانے والا نظامِ حکومت وریاست غموض' ابہام' اضطراب اور نقص وحیرت کا موجب ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ کی اصل ذمہ داری صرف اللہ کی شریعت کے پہنچانے یعنی ابلاغ تک ہی تھی' قیامِ حکومت اور نفاذِ شریعت آپ ﷺ کے مقصدِ بعثت کا حصہ نہیں تھے۔

(۵) زمانۂ صحابہؓ میں ہونے والا یہ اجماع کہ نصبِ امام یعنی قیامِ خلافت واجب ہے' کا اس کتاب میں انکار کیا گیا ہے۔ جبکہ اُمت کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے امور کی نگہداشت کے لیے خلیفہ کا تقرر کرے۔

(۶) اس کتاب میں قاضیٔ شرع کے تقرر اور نظامِ قضاء کے تعین کو شرعی ذمہ داری ماننے سے بھی انکار کیا گیا ہے۔

(۷) اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد کے خلفاءِ راشدین کی حکومت کی دینی حیثیت سے بھی انکار کیا گیا ہے۔

اس مجلس نے شیخ علی عبدالرازق کو مجلس کے سامنے پیش ہونے اور اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا' مگر علی عبدالرازق کو اپنے خیالاتِ فاسدہ پر اصرار رہا۔ چنانچہ جامعہ ازہر کے قانون کی ذیل میں مذکور دفع کے مطابق علی عبدالرازق کو زمرۂ علماء سے خارج کر دیا گیا اور فتویٰ اور قضاء کی سند بھی منسوخ کر دی گئی۔

اذا وقع من احد العلماء أيا كانت وظيفته مالا يناسب وصف العالمية يحكم عليه من شيخ الجامع الازهر باجماع تسعة عشر عالماً معه من هيئة كبار العلماء المنصوص عليها فى الباب السابع من هذا القانون باخراجه من زمرة العلماء ولا يقبل الطعن فى هذا الحكم ويترتب على الحكم المذكور:

فهو اسم المحكوم عليه من سجلات الجامع الازهر والمعاهد الاخرى 'وطرده من وظيفته وقطع مرتباته فى اى جهة كانت' وعدم اهلية للقيام بأية وظيفة عمومية دينية أو غير دينية ...... فبناء على هذه الاسباب :حكمنا نحن شيخ الازهر باجماع اربعة وعشرين عالماً معنا من هيئة كبار العلماء باخراج الشيخ على عبد الرازق احد علماء الجامع الازهر والقاضى الشرعى بمحكمة المنصورة الابتدائية الشرعية ومؤلف كتاب "الاسلام واصول الحكم" من زمرة العلماء صدر هذا الحكم بدار الادارة العامة الدينية فى يوم الاربعاء ٢٢ من المحرم سنة ١٣٤٤ الموافق ١٢ اغسطس سنة ١٩٢٥م۔ (باختصار من كتاب رد هيئة كبار العلماء على كتاب الاسلام واصول الحكم)

کبار علماء کی اس مجلس نے علی عبدالرازق کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے جن اسلامی اصولوں کا یا اصرار اعادہ کیا اُن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے' جس میں عقائد' عبادات اور معاملات سب شامل ہیں۔ یقیناً دنیوی معاملات کو دینی رہنمائی میں مرتب کرنا دین کا مقصود ہے۔ اس بات کو نہ ماننے والا ان آیات کا کیا جواب دے گا؟

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ﴾(النساء:١٠٥)

''(اے پیغمبرﷺ) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کریں۔''

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ (المائدة:٤٩)

''اور جو حکم اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ﴾ (النساء:٥٨)

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ

کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔"

اسلام اور سیاست میں تفریق کرنا اصلاً مسلمانوں کے اُس اجماعِ متواتر سے خارج ہونا ہے جو انہوں نے اپنی پوری تاریخ میں قائم رکھا ہے۔

اسی طرح اس مقدمے کے فیصلے میں اور کئی اہم نکات اسلام کے اصل موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے موجود ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ گزشتہ صدی میں مسلمانوں کے خصوصاً وہ علاقے جہاں غیر ملکی اقوام قابض رہیں' ابتداءً مسلم علماء نے ان کے خلاف خوب زور آزمائی کی' مگر بعد میں شکست خوردگی نے وہ مغلوب نفسیات بھی پیدا کیں جن کا اسلام کے حقیقی اور واقعی تصورات سے دور پرے کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ دین ومذہب اور سیاست وحکومت کے باہمی تعلق کے بارے میں غلامانہ ادائیں بہت ہی فتنہ انگیز رہی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بطلِ حریت جس کی آنکھ کو جلوۂ دانش فرنگ خیرہ نہ کرسکا' پکار اٹھا کہ: ۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

(علامہ اقبال)

شیخ محمد عمارہ نے اپنی کتاب "نقض کتاب الاسلام و اصول الحکم" میں بعض افراد کی جانب منسوب کرتے ہوئے یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ علی عبدالرازق نے اپنے آخری ایام میں اس کتاب کے مندرجات سے رجوع کرلیا تھا۔ اس بارے میں علی عبدالرازق کے بیٹوں کی گواہی بھی پیش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ مصر کی علمی اور ثقافتی تاریخ میں سب سے زیادہ اس کتاب پر ہی ردّ وقدح ہوئی ہے تو دوسری جانب سے اس کتاب کو تائید وحمایت بھی حاصل رہی ہے۔ یعنی ایک عرصے تک تائید ومخالفت پر مبنی لٹریچر سامنے آتا رہا' جیسے شیخ محمد خضر حسین نے ۱۹۲۶ء میں "نقض کتاب الاسلام و اصول الحکم" تصنیف کی' جسے ۱۹۲۸ء میں دکتور محمد عمارہ نے تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ مفتی اعظم مصر شیخ محمد نجیت مصری نے ۱۹۲۶ء میں "حقیقۃ الاسلام واصول الحکم" کے نام سے کتاب شائع کی۔ اسی طرح شیخ محمد طاہر بن عاشور نے "نقد علمی" کے نام سے اس کتاب پر تنقید شائع کی۔ جبکہ دوسری جانب عبدالعزیز فہمی نے یہ کہتے ہوئے احتجاجاً وزارت سے استعفاء دے دیا کہ علی عبدالرازق کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ مشہوری مصری ادیب استاذ عباس محمود العقاد نے کتابِ مذکور کے حق میں مقالہ شائع کیا اور حریتِ فکر کے لیے آواز بلند کی۔ گویا گزشتہ صدی کے آغاز میں راسخ العقیدہ اسلام اور جدیدیت زدہ تصورات کے مابین لڑائی کے یہ ابتدائی نقوش تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید گہرے ہی ہوتے چلے گئے۔

مصر میں آج بھی یہ کشمکش زوروں پر ہے' مگر ایک واضح فرق یہ واقع ہو چکا ہے کہ اب شیخ الازہر' ھیئۃ کبار العلماء اور مفتی الدیار المصریہ' یہ تینوں مناصب اور فورم سرکاری ہو چکے ہیں۔ جمال عبدالناصر نے مصر کو جدید بنانے کے لیے جو اصلاحات متعارف کروائی تھیں اُن میں ایک دوررس نقصان یہ بھی پہنچایا گیا کہ جامعہ ازھر کی استقلالیت یعنی اُس کا غیر سرکاری ہونا اور اپنے وسائل کے لیے حکومت پر انحصار نہ ہونے کی کیفیت کو ختم کردیا گیا۔ (باقی صفحہ 78 پر)

معرفتِ حدیث کے بنیادی علوم

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی ☆

حدیث کی معرفت کے لیے سند و متن دونوں کی تحقیق ضروری ہوتی ہے۔ محدثین نے سند و رجال کی تحقیق کے لیے فنِ اسماء رجال اور علم جرح و تعدیل اور نقدِ متن کے لیے علمِ درایت اور اس جیسے دیگر علوم و فنون ایجاد کیے۔ نقدِ متن' تحقیقِ سند کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور مشکل کام ہے۔ محدثین نے اپنی بہترین کوششوں سے اس فن میں کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جس میں بعد والوں کے لیے کسی کام کی گنجائش ہو۔ زیرِ نظر مضمون میں معرفتِ حدیث کے ان بنیادی علوم کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے جن کے بغیر بعض مرتبہ حدیث کا مفہوم متعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۱) علم مختلف الحدیث

علم مختلف الحدیث ان قواعد و ضوابط کا نام ہے جن کی مدد سے ایسی دو حدیثوں کے درمیان تطبیق یا ترجیح قائم کی جاتی ہے جو معنی اور مفہوم میں متعارض ہوں۔ جیسے یہ حدیث ((لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ))[۱] ''کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی فال / شگون اچھا یا برا ہوتا ہے''۔ اور حدیث ((فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ))[۲] ''مجذوم (یعنی جسے کوڑھ کا مرض ہو) سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو''۔ دونوں حدیثیں باہم متعارض ہیں۔ ذخیرۂ حدیث میں اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ جہاں دو حدیثوں کا مفہوم آپس میں متعارض ہوتا ہے ان میں کوئی ایک مفہوم متعین کرنا ہوتا ہے۔ فنِ حدیث میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں' ان میں سب سے پہلی کتاب امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی ہے جو ''اختلاف الحدیث'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں امام صاحب نے بہت سی متعارض حدیثوں کے درمیان جمع و تطبیق یا ترجیح کا عمل انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس میں آپ نے استیعاب کا قصد نہیں کیا تاہم اس کام کے تجربہ اور ضمن میں اس فن کے کچھ ایسے اصول سامنے آئے جن کی مدد سے معارض نصوص میں تطبیق یا ترجیح کا عمل انجام دینے کی راہ بڑی حد تک ہموار ہو گئی۔

اس کے بعد ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) نے اس موضوع پر اپنی مشہورِ زمانہ کتاب 'تاویل مختلف الحدیث'' تصنیف فرمائی' جس میں خاص طور پر ان اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی جن کا تعلق ایمانیات یا اخلاقیات سے ہے۔ (احکام سے متعلق متعارض نصوص کو بہت کم موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔)

اس کے بعد امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ مصری' طحاوی (م ۳۲۱ھ) نے ''مختلف الحدیث'' کی

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر' شعبہ دینیات' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ

تالیف فرمائی۔ احادیث احکام کے تعلق سے ان کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' لاجواب تصنیف ہے۔ اور اس سے بھی بڑی ان کی کتاب ''بیان مشکل الآثار'' ہے جو جمیع ابواب دین سے متعلق ممکنہ حد تک تمام ہی مشکل یا متعارض احادیث کی تشریح اور تاویل کے سلسلہ میں ایک موسوعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی ''تھذیب الآثار'' جو زمانہ کے دستبرد کی نذر ہو گئی لیکن اس کی دو یا تین جلدیں جو محفوظ رہ گئیں تھیں وہ طبع ہو چکی ہیں۔

رفعِ تعارض کا طریقہ

نسخ : اگر دو یا دو سے زائد حدیثوں میں بظاہر تعارض ہو تو اس تعارض کو دور کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کی صراحت کسی حدیث میں تو وارد نہیں۔ اگر کسی حدیث مرفوع میں نسخ کی صراحت ہو تو یہ نسخ منصوص ہے اور باتفاقِ علماء مقدم ہے۔ چنانچہ ناسخ پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

ترجیح : اگر نسخ منصوص کا وجود نہیں تو ترجیح کا عمل اختیار کیا جائے گا۔ یعنی وجوہ ترجیح کی بنیاد پر ایک حدیث کو دوسری پر راجح قرار دیا جائے گا۔

جمع و تطبیق : اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو ممکنہ حد تک دونوں میں جمع و تطبیق کی کوشش کی جائے گی۔

توقف : اگر دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو دونوں حدیثوں کے سلسلے میں توقف اختیار کیا جائے گا۔

ترجیحی عمل کی تشریح

ترجیحی عمل کا مطلب ہے اخبار واحاد کا دیگر ادلہ شرعیہ سے موازنہ کرنا' جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) عرض الحدیث علی القرآن (حدیث کا قرآن کریم سے موازنہ)

(۲) عرض الحدیث علی السنۃ المشھورۃ (حدیث کا سنت مشہورہ سے موازنہ)

(۳) عرض الحدیث علی الاجماع (حدیث کا اجماع اُمت سے تقابل)

(۴) عرض الحدیث علی الاحادیث الثابتۃ فی الباب (حدیث کا ان دیگر احادیث سے موازنہ جو باب میں وارد ہیں۔)

(۵) عرض الحدیث علی عمل المتوارث فی الامۃ (حدیث کا امت کے اس موروثی تعامل سے موازنہ جو نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے)

(۶) عرض الحدیث علی القواعد الکلیۃ الثابتۃ فی الشرع (حدیث کا شریعت کے ان مسلمہ اصولوں سے موازنہ جو قواعد کلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں)

(۷) عرض خبر الواحد علی ما تعم بہ البلویٰ وغیرہ۔ (یہ دیکھنا کہ حدیث' جو فرد واحد کی خبر ہے' کہیں ایسے مسئلہ سے متعلق تو نہیں جو تمام لوگوں کی عمومی ضرورت ہوتی ہے' کیونکہ اس کا علم کثیر لوگوں کو ہونا چاہیے۔ ایسے مسئلے میں شخص واحد کا روایت کرنا یہ گمان پیدا کرتا ہے کہ کہیں یہ حدیث کسی باطنی علت کا شکار تو نہیں۔)

(۱) حدیث کا قرآن سے موازنہ: اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ہدایت قرآن کریم ہے اور حدیث نبوی اس کی شرح و بیان کا درجہ رکھتی ہے۔ اور جیسا کہ معلوم ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ و معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں' جبکہ حدیث نبوی کے معنی تو اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کی روایت بالمعنی ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم اور اسی کی شرح ''حدیث'' جو منجانب اللہ ہے دونوں آپس میں متناقض و متعارض ہوں۔ پس اگر کسی حدیث کا مفہوم قرآن کے معنی سے معارض ہوتا ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اس حدیث کی روایت میں کوئی خلل اور نقص ہے' یعنی جو کلام رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ آپ کا نہیں بلکہ راوی کی جانب سے کسی خطا و نسیان یا پوری بات نقل نہ کرنے یا اصل مرادِ نبوی کو نہ سمجھ کر اپنے الفاظ میں بیان کرنے کا نتیجہ ہے' جبکہ قرآن کریم اس طرح کے تمام احتمالات سے منزہ ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ متعدد احادیث کو قرآن کریم سے موازنہ کر کے ان کی صحت اور خطا کا فیصلہ کرتے تھے۔

مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ ''زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد جنت میں داخل نہیں ہوگی''۔[۳] یہ روایت جب حضرت عائشہ ؓ نے سنی تو فرمایا: حَسْبُكُمُ الْقُرْآنُ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام: ۱٦٤) ''تمہیں قرآن کافی ہے' جس کے رو سے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ یا یہ روایت کہ ''دنیا کی مدت سات ہزار برس ہے' اس کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی''۔[۴] جو قرآنی آیت: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ٦٣) ''کہہ دیجیے کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے'' کے خلاف ہے۔

لہٰذا ایسی حدیث جو قرآنی صراحت یا اس کے عمومات و ظواہر کے خلاف ہو اسے راوی کا وہم سمجھا جائے گا۔

(۲) حدیث کا سنتِ مشہورہ سے موازنہ: حدیث کا سنت مشہورہ سے موازنہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جو سنت بطریقِ تواتر یا بطریقِ شہرت لوگوں میں جانی پہچانی جاتی ہے اور لوگوں کا اس کے مطابق عمل بھی ہے' حدیث اگر اس مشہور سنت کے خلاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو یہ جزئی کسی خاص شخص یا وقت یا حال کے اعتبار سے کوئی استثنائی صورت تھی' مثلاً تنہا حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ کی شہادت کو دو کے قائم مقام کرنا' یا جیسے یہ روایت: قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ[۵] ''رسول اللہ ﷺ نے ایک یمین اور ایک شاہد کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا'' جو سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے منقول فیصلے' اسی طرح خلفاء راشدین ؓ سے منقول فیصلوں میں قدرِ مشترک یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جائے' لہٰذا یہ حدیث اس پر محمول ہوگی کہ خصمین کے درمیان بطورِ مصالحت آپ نے ایسا کیا ہے نہ کہ بطورِ قضا۔ بصورتِ دیگر یہ حدیث قرآنی آیات: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲) ''اور گواہی دیں دو گواہ تمہارے مردوں میں سے'' اور ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق: ۲) ''اور گواہی دیں تم میں سے دو عادل لوگ'' کے خلاف واقع ہوگی۔ یا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ حدیث منسوخ ہے یا مؤول ہے یا غیر ثابت۔ مثلاً حدیث ''اگر جنابت کی حالت میں کسی نے صبح کی تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے''۔[٦] اگرچہ حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے' لیکن جمہور نے اس حدیث کو سنتِ مشہورہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کثیر طرق سے اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صبح فرماتے تھے اور پھر غسل فرما کر نمازِ فجر پڑھانے کے لیے برآمد ہوتے تھے اور اس دن کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ امام ترمذی نے روایت نقل کی:

اخبرتنی عائشة و ام سلمة زوجا النبی ﷺ ان النبی ﷺ کان یدرکه الفجر وهو جنب من اهله ثم یغتسل ویصوم۔ قال ابوعیسیٰ حدیث عائشة وام سلمة حدیث حسن صحیح والعمل علٰی هذا عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم وهو قول سفیان والشافعی واحمد واسحٰق(۷)

''(اُمہات المومنین) حضرت عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بعض مرتبہ) جنابت کی حالت میں صبح کرتے تھے' پھر غسل فرما کر روزہ رکھتے تھے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن اور صحیح ہے اور اسی پر اصحابِ رسول اور ان کے علاوہ اکثر اہلِ علم کا عمل بھی ہے اور یہی رائے ائمہ میں سفیان (ثوری)' شافعی' احمد بن حنبل اور اسحٰق (بن راہویہ) کی بھی ہے۔''

(۳) حدیث کا اجماعِ امت سے تقابل: اگر کوئی ایسی حدیث وارد ہو جس کے خلاف امت کا اجماع ہو گیا ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا کسی علت کے ذریعہ معلول ہے' چنانچہ حکمِ شرعی کی بنا اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ مثلاً وہ حدیث جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''چور اگر چوتھی مرتبہ چوری کرے تو اسے قتل کر دو''۔(۸) یہ حدیث اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ ''شروع میں ایسا ہی حکم تھا' پھر بعد میں منسوخ ہو گیا''۔ محمد بن اسحاق نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے' فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص شراب پیے اسے کوڑے لگاؤ' اگر چوتھی بار پیے تو اسے قتل کر دو۔ پھر اس کے بعد ایک شخص آپ کے پاس لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ نے مناسب سزا دے کر اسے چھوڑ دیا' قتل نہیں فرمایا۔ حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون منقول ہے''۔ اس کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس پر تمام اہلِ علم کا عمل ہے۔ اس سلسلہ میں متقدمین و متاخرین میں سے کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے''۔(۹)

اسی طرح یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرندے کا پکا ہوا گوشت تھا' آپ نے دعا فرمائی کہ: ''اے اللہ میرے پاس ایسے شخص کو بھیج دے جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھ کو محبوب ہو جو میرے ساتھ اس کھانے میں شریک ہو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ تناول فرمایا''۔(۱۰) اس حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اُمت میں سب سے افضل قرار دیا گیا ہے جو اجماع کے خلاف ہے' کیونکہ باجماعِ اُمتِ صحابہ میں افضل ترین شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس کے علاوہ محققین نے اس کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا ہے۔(۱۱)

(۴) حدیث کا باب کی دوسری احادیث سے موازنہ: منقول حدیث کی صرف اسنادی حیثیت ہی سب کچھ نہیں ہوتی' بلکہ اس کے ساتھ پورے ذخیرۂ حدیث پر مجموعی نظر ڈال کر اس باب سے متعلق جتنی احادیث ہوتی

ہیں سب کو جمع کر کے ان میں موازنہ کیا جاتا ہے‘ اس کے بعد اصل الفاظِ نبوی تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے‘ یا ان مختلف احادیث میں منشاءِ نبوی سے قریب تر کی شناخت و تعیین کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۵) حدیث کا عمل متوارث سے موازنہ: تمام ائمہ کے یہاں عمل متوارث کی اہمیت ہے‘ چنانچہ امام مالکؒ حدیثوں کو ''عمل اہلِ مدینہ'' کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور جس حدیث کو ''عملِ اہلِ مدینہ'' کے مطابق نہیں پاتے تھے اسے قابلِ عمل نہیں سمجھتے تھے۔ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ امام لیث بن سعد کو خط میں لکھا:

''لوگ اہلِ مدینہ کی اتباع کرتے ہیں‘ مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور یہیں قرآن کے احکام نازل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے سامنے تھے اور وحی و قرآن ان کے سامنے نازل ہوا۔ حضور ﷺ حکم دیتے تھے اور صحابہ اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ ﷺ انھیں سکھاتے تھے وہ اس کا اتباع کرتے تھے‘ یہاں تک کہ حضور کی وفات ہوئی اور آپ کے بعد اُمت میں ایسے صاحب امر (خلفاء مانند حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ) ہوئے جن کی لوگوں نے اتباع کی۔ صحابہ کے بعد تابعینؒ اسی مسلک پر چلے اور ان ہی سنتوں کی پیروی کرتے رہے‘ اس سے ہم نے کسی کو اختلاف کرتے نہیں پایا۔ اس لیے جس چیز پر اہل مدینہ کا اجماع ہو چکا اس کے خلاف عمل کرنا یا اس سے اختلاف کرنا میرے نزدیک جائز نہیں''۔ (۱۲)

اسی طرح محمد ابوزہو امام مالک کے شرائط اور اصولِ نقدِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاشترط فی قبول خبر الواحد ان لا یعمل علی خلافة الجمهور والجم الغفیر من اهل المدینة اذ ان علمهم بمنزلة روایتهم عن رسول الله ﷺ وروایة جماعة عن جماعة اولیٰ بالقبول من روایة فرد عن فرد (۱۳)

''امام مالک نے قبولیتِ حدیث کے لیے یہ شرط رکھی کہ اس کا متن جمہور اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو‘ اس لیے کہ اہلِ مدینہ کا عمل رسول اللہ ﷺ سے بمنزلہ روایت کے ہے اور ایک جماعت کا دوسری جماعت سے روایت کرنا قبولیت کے اعتبار سے زیادہ اولیٰ ہے بہ نسبت ایک فرد کا دوسرے فرد کے روایت کرنے سے۔''

حدیثوں کے معاملہ میں امام مالک کے شیخ ربیعہ اور دوسرے ائمہ تابعین‘ جیسے محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حزم کا بھی یہی عمل تھا جو مدینہ میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ ان کے بہت سے فیصلے خبر واحد کے خلاف اور عمل اہل مدینہ کے مطابق ہوتے تھے۔ چنانچہ امام مالک سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں:

''میں نے محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حزم کو دیکھا کہ وہ مدینہ کے قاضی تھے۔ ان کے بھائی عبداللہ کے پاس حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور ثقہ تھے۔ لیکن جب کسی معاملہ میں حدیث ایک طرف اور عمل اہل مدینہ دوسری جانب ہوتا تو یہ دونوں حضرات عمل اہل مدینہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اس پر ان کے بھائی عبداللہ ان سے کہتے کہ یہ فیصلہ حدیث کے خلاف ہے تو محمد بن ابی بکر کہتے: ہاں‘ لیکن اہل مدینہ کے صلحاء کا عمل اس سے قوی تر ہے۔'' (۱۴)

دوسری طرف اہل کوفہ سیدنا عبداللہ بن مسعود‘ حضرت علی مرتضیٰ‘ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ جیسے اجلّہ صحابہؓ کے عمل کو حدیثوں کی نقد و تحقیق کی بنیاد مانتے تھے۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن جن ملکوں اور شہروں میں گئے وہاں وہ اشاعتِ اسلام اور سنتِ نبوی کی خدمت میں مصروف رہے۔ لوگوں نے ان کی اقتدا و اتباع کی' لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ جو عمل عمومی طور پر نقل در نقل ہوتا ہوا آیا وہ کسی مضبوط اصل پر مبنی تھا اس لیے اس کا احترام لازمی ہوگا۔ سلف میں نقدِ حدیث کی اصل کسوٹی عمل متوارث ہی تھا' چنانچہ دوسری صدی کے اختتام تک اہلِ علم عمومی طور پر اخبارِ احاد کو سلف کے معمول پر رکھ کر اس کی صحت و سقم کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔

(۶) حدیث کا شریعت کے مسلمہ اُصولوں سے موازنہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء کرام کتاب اللہ' سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل صحابہ میں وارد مختلف احکام سے متعلق ہدایات و اشارات میں غور کر کے ایک قدر مشترک اصول مستنبط کرتے ہیں جو قوت میں سنت مشہورہ سے کم نہیں ہوتا' اگرچہ خاص اس مضمون کو ادا کرنے والی نصوص کسی مضبوط سند سے منقول نہ ہوں۔ جیسے یہ روایت کہ ''جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ جہنم میں نہیں جائے گا''۔ (۱۵) حافظ ابن قیمؒ نے اس طرح کی روایات کو موضوع قرار دیا۔ (۱۶) کیونکہ اصول شریعت سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت میں کوئی شخص رنگ و نسل' نام و لقب' جنس و ذات' قرابت و رشتہ داری' کسی پیر یا پیغمبر کی طرف نسبت وغیرہ کے ذریعہ نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ نجات کا دار و مدار ایمان و عمل صالح پر ہے۔

(۷) خبر واحد کا ایسے مسئلہ سے متعلق ہونا جس میں عموم بلویٰ ہو: عمومِ بلویٰ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حدیث کسی ایسے مضمون سے متعلق ہو جس کے شہرت اور استفاضہ کے ساتھ لوگوں میں اس کے پھیلنے کے اسباب موجود ہوں اور اس کے جاننے کی سبھی کو حاجت بھی ہو' اس کے باوجود ایک ہی شخص اس کو روایت کر رہا ہے تو یہ بات شبہ پیدا کرتی ہے اور اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے حکم عام کا درجہ نہ دیا جائے۔ مثلاً بسرہ بنت صفوانؓ کی حدیث کہ ''مسِ ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے''۔ (۱۷) اس روایت کو مرد صحابہ میں کوئی بھی روایت نہیں کرتا جب کہ اس کا علم تمام مردوں کو ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا اس اصول کی بنیاد پر یہ حدیث ترک کر دی گئی۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں دوسری حدیث بھی ہے جس میں صراحت سے یہ بات بیان کی گئی کہ مسِ ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَهَلْ هُوَ اِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ اَوْ بُضْعَةٌ مِنْهُ)) (۱۸) ''کیا وہ جسم کا ایک حصہ نہیں؟''

(۲) علم ناسخ الحدیث ومنسوخہ

معرفتِ حدیث کے لیے جو علوم درکار ہیں ان میں اہم علم ناسخ اور منسوخ حدیثوں کا ہے' جب تک اس علم میں مہارت نہیں ہوگی متعارض نصوص میں صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

نسخ کے لغوی معنی ختم کرنا' زائل کرنا ہے اور اصطلاحِ شریعت میں' شارع کی جانب سے حکم سابق کو ختم کر دینا۔ کیونکہ شارع کی نگاہ میں کسی حکم کو دینے میں کوئی مصلحت اور غرض ہوتی ہے' جب وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو حکم اول منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر نسخ کی دو قسمیں ہیں: (۱) نسخ منصوص (۲) نسخ اجتہادی۔

(۱) نسخ منصوص: کبھی دلیل نسخ خود مرفوع نص میں وارد ہوتی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تم

کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب تم ان کی زیارت کر سکتے ہو"۔ (۱۹)

یا دوسری مثال: "میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے کو منع کیا تھا' اب تم جتنے دن چاہو رکھ سکتے ہو۔" (۲۰)

(۲) **نسخ اجتہادی:** نسخ اجتہادی یہ ہے کہ دو متعارض دلیلوں میں سے کسی ایک کا صحابی کے قول سے متاخر ہونا معلوم ہو' یا تاریخ سے مقدم یا مؤخر ہونا معلوم ہو' یا ممانعت سے' یا قواعد کلیہ کے ساتھ معارض ہونا معلوم ہو' یا نص متواتر یا مشہور کے ساتھ تعارض ہو' یا روایت اس صحابی کے عمل کے خلاف ہو جس سے وہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ ذیل میں نسخ اجتہادی کی مثالیں علیٰ ترتیب المذکور بیان کی جاتی ہیں۔

صحابی کے قول سے نسخ کا علم ہونا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کرنا اور نہ کرنا دونوں رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا' لیکن بعد والا عمل وضو نہ کرنا تھا۔

> قال ابوعیسیٰ والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین ومن بعدھم مثل سفیان وابن المبارک والشافعی واحمد واسحٰق رأوا ترک الوضوء مما مسّت النّار وھذا آخر الامرین من رسول اللّٰہ ﷺ وکان ھذا الحدیث ناسخ للحدیث الاول حدیث الوضوء مما مسّت النّار (۲۱)
>
> "امام ترمذی نے فرمایا کہ اسی پر عمل ہے اکثر اہلِ علم اور اصحابِ رسول اور تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مثلاً سفیان' ابن المبارک' شافعی' احمد' اسحٰق کے یہاں۔ ان کی رائے آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھانے سے وضو نہ کرنے کی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے دو مختلف عمل میں سے آخری عمل ہے اور یہ حدیث الوضوء مما مسّت النّار کے لیے ناسخ ہے۔"

تاریخ کے ذریعہ نسخ کا علم ہونا: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ((اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ)) (۲۲) "سینگی لگانے والا اور لگوانے والا روزہ نہ رکھے" جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث: "آپ ﷺ نے سینگی لگوائی حالانکہ آپ روزہ سے تھے"۔ (۲۳) سے معارض ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے' کیونکہ دوسری حدیث حجۃ الوداع ۱۰ھ اور پہلی ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع کی ہے۔ (۲۴)

ممانعت کے ذریعہ نسخ کا علم: ممانعت کے ذریعہ نسخ کا مطلب یہ ہے کہ دو ایسی حدیثیں آپس میں متعارض ہوں جن میں سے ایک سے کسی چیز کی حرمت اور دوسری سے مباح ہونا معلوم ہوتا ہو۔ تو چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اس لیے مبیح (حلت بیان کرنے والی) حدیث کو منسوخ اور حرمت و ممانعت بیان کرنے والی حدیث کو ناسخ مانا جائے گا۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گوہ کھانے کی حلت معلوم ہوتی ہے۔ (۲۵) جبکہ عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (۲۶) لہٰذا حضرت عبدالرحمٰنؓ کی حدیث کو ناسخ مانا جائے گا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی حدیث کو منسوخ۔

شرعی قواعد کلیہ کے ذریعہ نسخ کا علم: فقہاء کرام کسی حدیث کے شرعی قواعد کلیہ سے مخالف ہونے کی بنا پر بھی

اس کے منسوخ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جیسے حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کر لی تھی یہ فیصلہ دیا کہ اگر اس نے زبردستی کی ہے تو باندی آزاد ہوگئی اور اس پر اس کی مالکن کے لیے اس باندی کا مثل دینا واجب ہے اور اگر اس باندی کی مرضی سے اس نے یہ کام کیا تو باندی اس شخص کی ہوگئی اور مالکن کے لیے اس باندی کا مثل اس پر واجب ہے۔[۲۷]

امام خطابی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ فقہاء میں سے کوئی بھی اس حدیث کا قائل ہوگا' کیونکہ اس میں چند چیزیں ہیں جو اصول کے خلاف ہیں:

(۱) **ایجاب المثل فی الحیوان** (حیوان کا ضمان مثل سے واجب ہونا)۔

(۲) **استجلاب الملك بالزنا** (زنا کے ذریعہ ملکیت حاصل کرنا)۔

(۳) **اسقاط الحد عن البدن وایجاب العقوبة فی المال' وهٰذه کلها امور منکرة لا تخرج علی مذهب احد من الفقهاء وخلیق ان یکون الحدیث منسوخا ان کان له اصل فی الروایة۔**[۲۸]

''بدن پر سے حد ساقط کر کے مال میں سزا واجب کرنا۔ یہ تمام باتیں انوکھی ہیں' کسی فقیہ کے مذہب سے میل نہیں کھاتیں۔ اس لیے یہ حدیث اگر اصولِ روایت کے مطابق ثابت بھی ہو تو منسوخ کہی جانے کے زیادہ مستحق ہے''۔

صحابی کے عمل کے خلاف روایت: جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے' لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف تھا۔[۲۹]

(۳) علم غریب الحدیث

غریب الحدیث ان مشکل الفاظ کو کہتے ہیں جو کسی حدیث کے متن میں پائے جاتے ہیں' جن کے معنی ومراد قلیل الاستعمال ہونے یا مختلف معنوں کا احتمال رکھنے کی وجہ سے واضح نہ ہوں۔

حدیث شریف کی معرفت کے لیے سب سے پہلے اس کے الفاظ کے لغوی معنی کا علم ہونا ازحد ضروری ہے' کیونکہ متن سے حکم شرعی یا مرادِ نبوی پہچاننا الفاظ کے لغوی معنیٰ جاننے پر موقوف ہوتا ہے۔ اسلام کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوتا گیا اور حدودِ عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہونا شروع ہوا اسی وقت سے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ الفاظِ حدیث کی 'لغت عرب' اور 'مرادِ نبوی' کی حیثیت سے شرح کر دی جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام سفیان ثوری اور امام مالک وغیرہ نے جستہ جستہ اپنے کلام میں غریب الحدیث کی وضاحت کی۔ لیکن باضابطہ طریقہ پر اس فن میں تصنیف کا سلسلہ شروع کرنے والے ابوعبیدہ معمر بن مثنی ہیں۔ ان کے بعد ابوعبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) نے غریب الحدیث والآثار اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) نے ''غریب الحدیث'' لکھی۔ اسی طرح ابراہیم بن اسحٰق حربی (م ۲۸۵ھ) اور ابوسلیمان خطابی (م ۳۸۸ھ) کی ''غریب الحدیث'' بھی اس فن کی مشہور کتابیں ہیں۔

بعد کے زمانہ میں انتہائی جامع اور معتبر تصنیف ''النهایة فی غریب الحدیث'' لکھی گئی' جس کے مصنف

ابن الاثیر جزری (م۶۰۶ھ) ہیں۔ ابن الاثیر جزری ہی نے اپنی دوسری اہم ترین کتاب ''جامع الاصول'' میں حدیث کے وضاحت طلب الفاظ کی بہترین تشریحات فرمائی ہیں۔

فخر المحدثین بالہند علامہ محمد بن طاہر پٹنی (م۹۸۶ھ) کی مجمع بحار الانوار بھی اس فن کی بے مثل کتاب ہے۔

(۴) علم فقہ الحدیث

علم فقہ الحدیث سے مراد ان احکامِ شرعیہ کی معرفت حاصل کرنا ہے جو نصوصِ حدیث میں صراحۃً یا دلالۃً یا اشارۃً پائے جاتے ہیں۔ فقہ الحدیث پر سیر حاصل گفتگو عام طور پر ان کتب میں ہوتی ہے جو حدیث کی کسی کتاب کی شرح کے طور پر تصنیف کی جاتی ہیں۔ ذیل میں کچھ ایسی شرحوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو خاص طور پر فقہ الحدیث، مذاہب فقہاء، ان کے ادلہ، متعارض ادلہ میں بعض کے وجوہِ ترجیح اور دیگر خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ الاستذکار الجامع لمذاھب فقھا الامصار وعلماء الاقطار فیما تضمنہ الموطا من معانی الرأی والآثار لابن عبدالبر الاندلسی (م۳۶۸ھ)

۲ — تھذیب الآثار لابن جریر طبری (م۳۱۰ھ)

۳ — المفھم فی شرح ما اشکل من تلخیص صحیح مسلم للقرطبی (م۶۷۱ھ)

٤ — فقہ السنن والآثار معالم السنن (شرح ابی داؤد) للخطابی (م۳۸۸ھ)

۵ — المنھاج علیٰ صحیح مسلم بن الحجاج المعروف بشرح النووی (م۶۷۶ھ)

۶ — احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید (م۷۰۲ھ)

۷ — فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر (م۸۵۲ھ)

۸ — عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری لبدرالدین عینی (م۸۵۵ھ)

۹ — نیل الاوطار للشوکانی (۱۲۵۰ھ)

۱۰ — بذل المجھود فی حل سنن ابی داؤد للشیخ خلیل احمد سہارنپوری (م۱۳۴۶ھ)

۱۱ — فتح الملھم لشرح صحیح مسلم للعلامۃ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

۱۱ — اوجز المسالک الٰی موطا مالک للشیخ محمد زکریا (۱۴۰۲ھ)

۱۲ — اعلاء السنن للعلامۃ ظفر احمد عثمانی التھانوی (م۱۳۹٤ھ)

(۵) علم اسباب ورود الحدیث

حدیث کے سبب ورود سے مراد وہ پس منظر ہے جس کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی یا حدیث کی قولی، فعلی و تقریری انواع کا تحقق ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث شریف کے صادر ہونے کا جو سبب ہوتا ہے اس کے ذریعہ مرادِ حدیث کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، چنانچہ وہ حدیثیں جن کا سبب ہو یا کوئی پس منظر ہو جس میں وہ حدیثیں بیان کی گئیں یا کوئی ایسا موقع جس کے لیے صحابی نے وہ حدیث پیش کی ان سب کے ذریعہ حدیث کو اس کے صحیح معنی پر محمول کرنے

میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر صرف لغوی معنی کے اعتبار سے مراد متعین کرنے کی کوشش کی جائے گی تو مراد کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے اور خطرناک نتیجے تک پہنچا سکتی ہے۔ مثلاً: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ))(۳۰) ''تم اپنے دُنیوی معاملات کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو۔''

اس حدیث کو بعض لوگ اقتصادی سیاسی اور معاشرتی مسائل میں اپنی من گھڑت اسکیموں اور طریقہ کار کی ترویج کے لیے پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دُنیوی معاملات میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی دخل نہیں دیا' حالانکہ اگر اس حدیث کا پس منظر اور شانِ ورود معلوم ہو تو کوئی عقل مند شخص اس طرح کی بات کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں مختلف الفاظ سے یہ قصہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار مدینہ کو نر اور مادہ درختوں میں جفتی کراتے دیکھا تو فرمایا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ایک سال یہ عمل نہیں کیا تو پھل اچھے برآمد نہیں ہوئے آپ ﷺ سے شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ))۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایک خاص محل اور پس منظر میں بطورِ مشورہ کہی گئی ہے جس کا تشریع وقانون سازی سے تعلق نہیں ورنہ اقتصادیات ومعاشیات سے متعلق تمام احادیث وآیات کا معطل ہونا لازم آئے گا۔

(۶) علم مشکل الحدیث

علم مشکل الحدیث نام ہے ان قواعد وضوابط کا جن کے ذریعہ کسی ایسی حدیث کی مراد واضح کی جاسکے جو کسی وجہ سے مخفی رہ گئی ہو' بایں طور کہ اس کا ظاہری لفظ کسی محال معنی پر دلالت کر رہا ہے یا وہ قواعد شرعیہ یا عرفیہ کے معارض ہے۔ اس کا مصداق وہ حدیثیں بھی ہونگی جن کا آپس میں تعارض ہو اور وہ حدیثیں بھی ہوں گی جن کا معنی مرادی واضح نہ ہو' بوجہ کسی امر عقلی یا شرعی یا عادی سے میل نہ کھانے کی وجہ سے۔

عام طور پر کسی حدیث کے مشکل ہونے کے درج ذیل اسباب ہوتے ہیں:

(۱) دو یا چند حدیثوں کے درمیان باہم تعارض۔

(۲) ظاہر حدیث کا قرآن کے ظاہر سے یا اجماع سے یا واقعہ تاریخی سے یا عقل سے تعارض۔

(۳) لفظ حدیث کے غریب اور نامانوس ہونے کی وجہ سے یا ایک سے زائد معنی میں مشترک ہونے یا مطلق ہونے کی وجہ سے یا معنی لغوی اور معنی مرادی کے درمیان مناسبت بعید ہونے کی وجہ سے حدیث کے معنی مخفی ہو جاتے ہیں۔

(۴) حدیث سے حکم شرعی مستنبط کرنے کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف کا پایا جانا۔ چنانچہ بسا اوقات دو مختلف نظریہ کے حامل فقہاء اپنے اپنے موقف کی تائید میں اسی ایک حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ فرق صرف طریقہ استدلال کا ہوتا ہے' اس لیے اہلِ علم کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ حدیث فی الواقع کس موقف کی تائید کر رہی ہے۔

(۵) حدیث کے ظاہری معنی کا تحقق عقلاً یا شرعاً یا دونوں اعتبار سے محال ہونا۔

مشکل الحدیث کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں' لیکن یہاں ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے جو قرآن سے

تعارض کی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح یہ چاند دیکھتے ہو اس کے دیکھنے میں بھیڑ اور جھگڑا نہیں کرو گے"۔ (۳۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں مؤمنین کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ یہ حدیث معارض ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (۳۲) سے "نگاہیں اسے نہیں دیکھ سکتیں وہ نگاہوں کو دیکھ سکتا ہے" جس میں بظاہر رویت باری تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے۔

حواشی و مراجع

(۱) صحیح البخاری کتاب الطب باب لاعدوی۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ مجذوم کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ صحابہ میں حضرت عمرؓ اور سلف میں ایک جماعت کی رائے مجذوم کے ساتھ کھانے کی ہے اور ان کے نزدیک امر بالا اجتناب منسوخ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے جس پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ دونوں حدیثوں کی جمع و تطبیق کی گئی ہے۔ یعنی اجتناب اور فرار کے حکم کو استحباب اور احتیاط پر اور ان کے ساتھ کھانا بیان جواز پر محمول کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

فتح الباری کتاب الطب باب لاعدوی۔

(۲) ایضاً۔

(۳) اللالی المصنوعہ، ص ۲۲٬۴۲۳۔ علامہ جلال الدین سیوطی مطبع علوی ہند ۱۳۰۳ھ۔

(٤) المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص ۸۰ حافظ ابن قیم بیروت ۱۹۷۰ء۔

(٥) سنن ابی داؤد کتاب القضا باب القضاء بالیمین والشاھد۔

(٦) مسند احمد ۲/۲٤۸ مطبع بولاق مصر؛ ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الصیام باب ما جاء فی الرجل یصبح جنبا وھو یرید الصیام۔

(۷) سنن الترمذی ابواب الصوم باب ما جاء فی الجنب یدرکہ الفجر وھو یرید الصیام۔

(۸) سنن الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوہ۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) سنن الترمذی ابواب المناقب باب مناقب علی بن علی طالب۔

(۱۱) قال الترمذی ھذا حدیث غریب لا نعرفہ من حدیث السدی (اسمعیل بن عبدالرحمن) الا من ھذا الوجہ (امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے سدی کی اس روایت کو کسی دوسری سند سے ہم نہیں جانتے۔)

ابواب المناقب باب مناقب علی بن علی طالب۔

(۱۲) مالک حیاتہ و عصرہ و آراء ہ و فقھہ ۔ ص ۱۲۲ ابوزہرہ قاہرہ ۱۹۶۳ء۔

(۱۳) الحدیث و المحدثون ص ۲۸۱ محمد محمد ابوزھو مطبع مساھمہ مصریہ مصر ۱۳۷۸ھ۔

(۱٤) مالک حیاتہ و عصرہ و آراء ہ و فقھہ ص ۱۲۲۔

(۱٥) تذکرۃ الموضوعات ص ۸۹ محمد بن طاھر علی بن علی فتنی بمبئی (انڈیا) ۱۳۷۳ھ۔

(۱٦) المنار المنیف ص ٦۱۔

(۱۷) سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب الوضوء من مسّ الذکر۔

(۱۸) ایضاً باب ترک الوضوء من مس الذکر۔

(۱۹) مسلم' کتاب الجنائز' فصل فی الذھاب الیٰ زیارۃ القبور۔
(۲۰) ایضاً۔
(۲۱) سنن الترمذی' ابواب الطھارۃ' باب فی ترک الوضوء مما غیرت النار۔
(۲۲) سنن الترمذی' ابواب الصوم' باب ماجاء فی کراھیۃ الحجامۃ للصائم۔
(۲۳) سنن الترمذی' ابواب الصوم' باب ما جاء من الرخصۃ فی ذالک۔
(۲۴) ایضاً۔
(۲۵) صحیح مسلم' کتاب الصید و الذبائح' باب اباحۃ الضب۔
(۲۶) سنن ابی ابو داؤد' کتاب الاطعمۃ' باب فی اکل الضب۔
(۲۷) سنن ابی داؤد' کتاب الحدود' باب فی الرجل یزنی بجاریۃ امرأتہ۔ وسنن النسائی' کتاب النکاح' باب احلال الفرج۔
(۲۸) معالم السنن شرح سنن ابوداؤد' للامام خطابی (م۳۸۸ھ)' ۳/۳۳۱' کتاب الحدود' باب فی الرجل یزنی بجاریۃ امرأتہ۔
(۲۹) سنن الترمذی' ابواب الطھارۃ' باب ماجاء فی سور الکلب۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کا عمل تین مرتبہ دھونے کا تھا۔ دیکھئے: فتح الملھم شرح مسلم' ازعلامہ شبیر احمد عثمانی' باب و کتاب مذکورہ من مسلم۔
(۳۰) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب وجوب امتثال ماقالہ شرعا دون ما ذکرہ ﷺ من معایش الدنیا علی سبیل الرائ۔
(۳۱) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلوٰۃ' باب فضل صلوٰۃ العصر۔
(۳۲) سورہ الانعام' آیت ۱۰۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نگاہ اسے نہیں دیکھ سکتی' جب کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ یہ روایت درحقیقت ترجمان ہے سورۃ القیامہ کی: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ (القیامۃ) ''اس دن بعض چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔ جبکہ کافروں سے متعلق فرمایا گیا: ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝﴾ (المطففین) ''وہ اپنے رب کو دیکھنے سے حجاب میں رہیں گے''۔ اس سے بھی اس بات کی دلالت ہوتی ہے کہ مؤمنین کے لیے حجاب نہیں ہوگا۔ مذکورہ حدیث کے سوا اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ جنت میں اللہ کا دیدار ہوگا' لہٰذا آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کا مفہوم یہ ہوگا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں۔ یہی بات حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی روایت سے بھی ثابت ہے کہ جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو (شب معراج میں) دیکھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾۔ (صحیح البخاری' کتاب التفسیر' تفسیر سورۃ النجم) یعنی دنیا میں یہ ممکن نہیں۔ اس طرح حدیث اور قرآنی آیات میں کوئی اختلاف نہیں رہتا جو بظاہر الفاظ کو سامنے رکھ کر نظر آتا ہے۔

❁ ❁ ❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نبی کریم ﷺ کے تعددِ ازواج پر
شبہات کا تحقیقی جائزہ

الشیخ محمد علی الصابونی☆

ترجمہ وحواشی: پروفیسر محمد انس حسان، گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں

کیا تم آفتاب کو دن کے وقت اس کی بلندی پر چمکتے ہوئے دیکھتے ہو؟ اس کی روشنی کو کوئی پردہ روک نہیں سکتا اور نہ بادل اس کی روشنی میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس (آفتاب) کی روشنی کو ختم کرنے کا ارادہ کرے یا اس کی روشنی کو لوگوں کے دیکھنے سے روکے یا اس کی طرف پھونک مارے (تاکہ وہ بجھ جائے) یا اس پر بڑے بڑے اعتراضات (عیوب) لگائے، تو کیا اس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے گی؟ یا اس کی روشنی کے سامنے پردہ پڑ جائے گا؟ ہم آپ کے سامنے ایسے آفتاب کے بارے میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں جو ہمیشہ ضوفشاں رہا اور اس کی روشنی روز افزوں ہے۔ درحقیقت ہم آسمان کے آفتاب کے بارے میں نہیں بلکہ زمین کے آفتاب کے بارے میں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

یہ آفتاب نبوت اور رسالت کا آفتاب ہے۔ یہ اہلِ ہدایت اور اہلِ علم کا آفتاب ہے۔ بے شک اس کی روشنی بلند ہے اور اس کا نور پھیلا ہوا ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بری زندگیوں کو تبدیل کر دیا اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آیا۔ بے شک وہ نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے جن پر بے شمار درود و سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا، جیسا کہ سورۃ التوبہ میں اس کا فرمان ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ اپنی روشنی کا اتمام کر کے رہے گا اگرچہ کافروں پر گراں گزرے۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو کُل دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں پر گراں گزرے۔''

بے شک آپ ﷺ ہی زمین کے چمکتے ہوئے آفتاب ہیں، جن کے اوصاف قرآن کریم نے یوں بیان کیے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾﴾ (الاحزاب)

☆ الاستاذ بکلیۃ الشریعۃ و الدراسات الاسلامیۃ بمکۃ المکرمۃ

"اے پیغمبر (ﷺ) ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' خوشخبری سنانے والا' خبردار کرنے والا' اللہ کے (دین) کی طرف دعوت دینے والا اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا۔"

"سراج منیر" دراصل آفتابِ نبوت ہے جو اپنی خوبصورت روشنی کے ساتھ چمکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آفتاب کو عالم وجود پر اپنے نور کے ساتھ بلند فرمایا۔ جبکہ بصارت سے محروم آنکھیں اور سماعت سے محروم کان اس سے بے خبر ہی رہیں گے۔ اسی لیے شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وشمسُنا فی السماءِ العِزِّ ساطعةٌ   ما ضرَّها حینَ تَعمی عندَھا العُورُ

"ہمارا سورج عزت کے ساتھ آسمان میں چمکتا ہے۔ کوئی اندھا اور بھینگا اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

مستشرقین کی نبی کریم ﷺ سے عداوت کوئی نئی بات نہیں' بلکہ کافی عرصہ سے ان اسلام دشمنوں نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں شکوک وشبہات میں ڈالنے والی باتیں گھڑ رکھی ہیں اور آپ ﷺ کی رسالت میں طعن وتشنیع اور آپ ﷺ کی شخصیت پر جھوٹے اور باطل دلائل کا طومار کھڑا کر دیا گیا ہے تاکہ مؤمنین کو ان کے دین کے حوالے سے شک میں ڈالا جائے۔ (اس تحریر سے) ہمارا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر لگائے گئے ان الزامات کی حقیقت واضح کی جائے' اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کا مخلوق میں رائج کردہ طریقہ ہے جسے یہ لوگ تبدیل نہیں کر سکتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾﴾ (الفرقان)

"اور ہم اسی طرح مجرموں میں سے ہر ایک نبی کا دشمن بناتے رہے ہیں' اور ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا تیرا رب کافی ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو داغ دار کرنے کے لیے مستشرقین نے آپ ﷺ کے تعددِ ازواج پر شبہات قائم کیے ہیں' جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) آپ ﷺ پر ایک اعتراض ان مستشرقین کا یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) محمد ﷺ نفسانی خواہشات کے اسیر تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایک بیوی یا صرف چار بیویوں پر اکتفا نہیں کیا' جیسا کہ دیگر مسلمانوں کو شریعت کے احکام پر چلنا واجب ہے' بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ نے خواہشات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے دس عورتوں بلکہ اس سے زائد کے ساتھ شادی کی۔ (نقل کفر کفر نہ باشد!)

(۲) اسی طرح یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ میں اس حوالے سے بہت فرق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام محمد ﷺ کے برعکس شہوانی خواہشات سے بہت دور تھے۔ چنانچہ اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت آپ ﷺ سے زیادہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نفس پر مجاہدہ کیا جبکہ آپ ﷺ شہوت پرستی کے پیچھے چلے (نعوذ باللہ)۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾﴾ (الکہف)

"بہت بڑی بات ہے جو یہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ وہ نہیں کہتے مگر جھوٹ۔"

حق بات تو یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ کینہ پرور اور جھوٹے ہیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ ایسے ہرگز نہیں تھے۔

بے شک آپ ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی تھے اور آپ ﷺ نے عام انسانوں کی طرح شادیاں کیں تاکہ یہ (طریقہ) ان لوگوں کے لیے نمونہ بنے جو اپنے رب کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں۔ بے شک آپ ﷺ بشر (انسان) تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم پر وحی و رسالت کے ساتھ فضیلت بخشی تھی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۶)

''(اے پیغمبر ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم جیسا ایک بشر ہوں (لیکن تمہارے اور میرے درمیان فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی نبی کی تعلیمات کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی کسی نبی کو کم درجہ جانا' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بات اسلام کے عمومی مزاج کے ہی خلاف ہے۔ آپ ﷺ تو انہی اولوالعزم انبیاء و رسل ؊ کا تاریخی تسلسل اور آخری کڑی تھے۔ انبیاء و رسلؑ کے درجات کی بلندی کے بارے میں اللہ ربّ العزت یوں ذکر فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ﴾ (الرعد:۳۸)

''اور یقیناً ہم آپ سے پہلے کئی رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد بھی دی تھی۔''

ان اہلِ کتاب کی اپنی کتب میں نبی کریم ﷺ کی بشارتیں موجود ہیں' لیکن ان بشارتوں کے بعد بھی یہ لوگ ان بے سروپا اور لایعنی شبہات و اعتراضات کو محض اپنے جذبہ کینہ پروری کی تسکین کے لیے وقتاً فوقتاً ابھارتے رہتے ہیں۔ کسی شاعر نے شاید اسی حوالے سے کہا تھا:

قَدْ تُنكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ ۔۔۔ وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمِ

''پیپ سے بھر جانے والی آنکھ سورج کی روشنی کو نہیں پہچان سکتی اور بیماری کی وجہ سے منہ پانی کے ذائقہ کو نہیں پہچان سکتا۔''

قبل اس کے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے تعددِ ازواج کی حکمتوں اور مصلحتوں پر بات کریں' ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج کا عمومی تعارف کروا دیا جائے۔

(۱) حضرت سیدہ خدیجہ بنت خویلد ؓ

یہ آپ ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت سے قبل ان کے ساتھ شادی کی تھی۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی اور یہ خدیجہؓ ۴۰ سال کی شادی شدہ عورت تھیں۔ آپ ﷺ سے پہلے حضرت خدیجہ ابی ہالہ بن زرارہ کی بیوی تھیں۔ پھر اس کے بعد عتیق بن عائذ کے نکاح میں رہیں۔[1] پھر اس کے بعد آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدہ خدیجہؓ نے پچیس سال گزارے' پندرہ سال بعثت سے پہلے اور دس سال بعثت کے بعد۔ انؓ کی موجودگی میں آپ ﷺ نے کسی اور سے شادی نہیں کی اور آپ ﷺ کے بیٹے (ابراہیم ؓ) کے علاوہ ساری اولاد ان ہی سے ہوئی۔

(۲) حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ ؓ

آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ شادی کی۔[2] یہ بھی ثیبہ (شادی شدہ)

خاتون تھیں۔ آپ ﷺ سے پہلے سکران بن عمرو الانصاریؓ کے گھر میں تھیں۔ یہ ہجرت کرنے والی مؤمن عورتوں میں سے تھیں۔ ہجرتِ حبشہ ثانیہ کے بعد ان کے خاوند وفات پا گئے تھے اور اس کے بعد یہ اکیلی رہ گئیں۔[۳] ان کا کوئی پرسانِ حال اور کوئی مددگار نہ تھا۔ اگر آپ اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنے خاندان کی طرف لوٹتیں تو وہ ان کو شرک پر مجبور کرتے یا ان کو بہت سخت اذیت دیتے تاکہ اسلام سے پھر جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا اور انتہائی عمر رسیدہ خاتون ہونے کے باوجود ان کے ساتھ شادی کی۔

(۳) حضرت سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا

تمام امہات المؤمنین میں حضرت عائشہؓ وہ اکیلی خاتون ہیں جن کے ساتھ آپ ﷺ نے باکرہ (غیر شادی شدہ) ہونے کی حالت میں شادی کی۔[۴] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمام اُمہات المؤمنین میں ذہین اور احادیث کو یاد رکھنے والی تھیں' بلکہ یہ اکثر مردوں سے زیادہ علم رکھنے والی تھیں۔ چنانچہ بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم ان مسائل کے بارے میں آپؓ کی طرف رجوع کرتے تھے جن میں ان کو کوئی اشکال پیش آجاتا۔[۵] آپ ﷺ کی سنتِ مطہرہ کو پھیلانے' شریعت کے احکامات اور وہ مسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہوتے ہیں' ان کو آگے پھیلانے میں آپؓ سے بہتر کوئی نہیں تھا۔

(۴) حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ آپ ﷺ سے پہلے خنیس بن حذافہ الانصاریؓ کے نکاح میں تھیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے[۶] اور وہ باطل کو مٹانے کے لیے بہت جرأت مند تھے۔ ان کی بہادری' مردانگی اور جہاد کے قصے تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں۔

(۵) حضرت سیدہ زینب بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا

آپؓ کا لقب اُمّ المساکین ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ حفصہ بنت عمرؓ کے بعد شادی کی۔ یہ بھی پہلے سے شادی شدہ خاتون تھیں۔ آپ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔[۷] شوہر کی شہادت کے باوجود یہ مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔

(۶) حضرت سیدہ اُمِ سلمہ ہند المخزومیۃ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہؓ پہلے عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپؓ کے شوہر ابتدائی اسلام لانے والوں میں سے تھے۔[۸] دونوں میاں بیوی نے اسلام کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کی[۹] اور اسی اثنا میں ان کا بیٹا (سلمہؓ) پیدا ہوا۔ آپؓ کے شوہر غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں تو بڑی عمر کی ہوں اور میرا ایک بیٹا ہے اور مجھے اس پر سخت شرمندگی ہے۔ آپ ﷺ نے اس بات کے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ آپ اپنے بچے کو ساتھ لائیے اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کے دل کے معاملے کو صاف کر دے' اور بڑی عمر کا ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے موافقت کے بعد شادی کی اور ان کے بچے کی تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ یہاں تک کہ جب بچہ شعور کو پہنچا تو اس کو اپنے یتیم ہونے پر کوئی غم نہ تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے باپ کے عوض ایسا شخص عطا فرمایا تھا جو اس کے باپ سے زیادہ رحم کرنے والا تھا۔

(۷) حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

یہ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹی تھیں۔ آپ ﷺ سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے ان کو طلاق دے دی۔ پھر آپ ﷺ نے ایسی حکمت کی وجہ سے ان کے ساتھ شادی کی، جس حکمت کی بلندی کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے اور کوئی نہ پہنچ سکی۔ (۱۰)

(۸) حضرت سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنومصطلق کی سردار عورتوں میں سے تھیں۔ غزوۂ مریسیع میں قید ہوئیں۔ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں جنہوں نے آپؓ کو مکاتب کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی مکاتبت کی رقم ادا کر کے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ آپ ﷺ سے پہلے یہ مسافح بن صفوان کے نکاح میں تھیں جو غزوۂ مریسیع میں مارا گیا تھا۔

(۹) حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

آپؓ قریش کے سردار ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں اور پہلے سے شادی شدہ تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ سے پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں جو حبشہ میں فوت ہوا۔ (۱۱) آپ ﷺ نے حضرت اُمیہ ضمریؓ کے ذریعے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا جو انہوں نے قبول کر لیا۔ پھر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح آپ ﷺ سے چار ہزار درہم حق مہر کے عوض کیا اور شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس روانہ کیا۔

(۱۰) حضرت سیدہ صفیہ بنت حُیی بن اخطب رضی اللہ عنہا

یہ یہود کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ غزوۂ خیبر میں ان کا شوہر مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ قید ہو کر آئیں۔ (۱۲) آپ ﷺ نے ان کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں تو واپس چلی جائیں یا پھر نکاح کر لیں تو انہوں نے آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کو اختیار کیا۔

(۱۱) حضرت سیدہ میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا

آپؓ کا نام زمانہ جاہلیت میں برّہ تھا اور یہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے آخری ہیں۔ یہ بھی پہلے کی شادی شدہ خاتون تھیں۔ یہ پہلے ابی رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔

نبی اکرم ﷺ کی کثرتِ ازواج کے حوالے سے دو نکات ذہن نشین رہنے چاہئیں:

(ا) آپ ﷺ نے جب متعدد شادیاں کیں اس وقت آپ ﷺ جوان نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔

(ب) آپ ﷺ کی تمام بیویاں پہلے سے شادی شدہ تھیں (یعنی بیوہ تھیں) البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں، اور یہ واحد کنواری خاتون تھیں جن سے آپ ﷺ نے شادی کی۔

اگر تعددِ ازواج کا مقصد محض جنسی و نفسانی خواہشات کی تسکین ہوتا تو آپ ﷺ جوانی میں شادیاں کرتے نہ کہ

جوانی کے ختم ہونے کے بعد۔ نیز اگر ایسی بات ہوتی تو آپ ﷺ صرف باکرہ (کنواری) عورتوں سے شادی کرتے نہ کہ ثیبہ (شادی شدہ) عورتوں کے ساتھ۔ ایک مرتبہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ آپ ﷺ کے پاس آئے اور ان کے چہرے پر خوشی اور نعمت کے اثرات واضح تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

((هَلْ تَزَوَّجْتَ؟)) قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: ((بِكْرًا اَمْ ثَيِّبًا؟)) قَالَ: بَلْ ثَيِّبًا.. فَقَالَ لَهُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ: ((فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ وَتُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ؟)) (۱۳)

''کیا آپ نے شادی کی ہے؟ حضرت جابرؓ نے فرمایا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: باکرہ (کنواری) عورت کے ساتھ یا ثیبہ (شادی شدہ) کے ساتھ؟ حضرت جابرؓ نے جواب دیا: ثیبہ عورت کے ساتھ۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو نے کنواری عورت کے ساتھ شادی کیوں نہ کی کہ تو اس کے ساتھ دل لگی کرتا اور وہ تیرے ساتھ دل لگی کرتی۔ اور تو اس کے ساتھ ہنسی خوشی کرتا اور وہ تیرے ساتھ ہنسی خوشی کرتی!''

اس حوالے سے درج ذیل نکات پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

(۱) نبی اکرم ﷺ نے باکرہ عورت کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دی۔ آپ ﷺ بیویوں کے ساتھ فائدہ اٹھانے اور ان سے دلی مراد پوری کرنے کو بھی جانتے تھے۔ پھر بھی آپ ﷺ نے باکرہ عورتوں کو چھوڑ کر ثیبہ (شادی شدہ) عورتوں سے شادی کی۔

(۲) آپ ﷺ نے یہ شادیاں جوانی گزر جانے کے بعد بڑھاپے میں کیں۔ اگر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی غرض محض جنسی خواہشات کی تسکین ہوتی تو جوانی میں شادیاں کرتے نہ کہ بعد میں۔

(۳) بے شک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے ساتھ اعلیٰ اور کامل درجہ کی محبت کی وجہ سے جانیں دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کرتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی خوبصورت باکرہ عورتوں کے ساتھ شادی کروانے میں کیونکر تاخیر کرتے؟

(۴) قریش تو آپ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے رک جانے کے بدلے میں عرب کی خوبصورت ترین عورت سے شادی کرنے جیسی پیش کش بھی کر چکے تھے۔ اگر آپ ﷺ جنسی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب ہوتے (نعوذ باللہ) تو اس پیش کش کو نہ ٹھکراتے۔

(۵) احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک نبی کی طاقت چالیس جنتی مردوں کے برابر ہوتی ہے' جبکہ ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو افراد کی طاقت کے برابر ہوتی ہے۔ اس حساب سے ایک نبی کی طاقت چار ہزار افراد کے برابر ہوتی ہے اور شریعت نے ایک عام آدمی کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اس اعتبار سے نبی علیہ السلام سولہ ہزار عورتوں سے شادی کر سکتے تھے' لیکن آپ ﷺ نے صرف گیارہ عورتوں کے ساتھ شادیاں کیں اور وہ بھی جوانی گزر جانے کے بعد۔

چنانچہ ایسا ہرگز نہیں' جیسا کہ مغربی محققین نے مشہور کر رکھا ہے کہ 'نعوذ باللہ' آپ ﷺ ایسے ایسے تھے' بلکہ یہ تو آپ ﷺ کی عظمت' عصمت' شرافت اور ضبطِ نفس کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ معترضین کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسی ہستی کو ان بے سروپا اعتراضات کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح

ہو جاتی ہے کہ ان اعتراضات کے پیچھے محض ان مستشرقین کا تعصب کارفرما ہے۔ لہٰذا اُمتِ مسلمہ کو چاہیے کہ ایسے اشکالات کے پیچھے پڑنے والوں کو روکیں اور خود بھی ایسے خیالاتِ فاسدہ سے بچیں۔

نبی کریم ﷺ کے تعددِ ازواج کی بہت سی حکمتیں ہیں' جن پر غور و فکر کیے بغیر حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ ان حکمتوں میں سے چند ایک بیان کی جاتی ہیں:

پہلی قسم: تعلیمی حکمت

آپ ﷺ کے تعددِ ازواج کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کو معلّم بنائیں تاکہ یہ آگے شرعی احکام سکھائیں اور (ایسا کرنا یعنی) ایک عورت کا اتنے مسائل کو جمع کر کے آگے تعلیم دینا مشکل تھا جبکہ عورتوں پر وہ تکالیف والے مسائل فرض کیے گئے ہیں جو مردوں پر فرض نہیں کیے گئے۔ بہت ساری عورتیں ایسی تھیں جو آپ ﷺ سے بعض شرعی امور کے بارے میں سوال کرنے میں حیا محسوس کرتی تھیں۔ چنانچہ حیا کا غلبہ بعض دفعہ آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھنے میں رکاوٹ بن جاتا تھا۔ خاص طور پر وہ مسائل جو (عورتوں کے) مخصوص مسائل ہیں' جیسے حیض و نفاس کے احکام اور ازدواجی و دیگر شرعی احکام وغیرہ۔

رسول کریم ﷺ کے خلق میں یہ بات بھی شامل تھی کہ آپ ﷺ بہت حیا والے تھے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ آپؐ حیادار کنواری عورت سے زیادہ حیا رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ ان تمام سوالات کے جواب دینے کی استطاعت رکھتے تھے جو عورتوں کو پیش آتے ہیں (اور وہ جواب بھی ایسے واضح کہ جن میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو) لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے ان سوالات کے جواب کنایتاً دیے۔ کبھی کبھار کوئی عورت اس کنایہ کو نہیں سمجھ سکتی تھی کہ آپ ﷺ کیا فرما رہے ہیں۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات تشریح فرما کر سمجھاتی تھیں' جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

> اَنَّ امْرَاۃً مِنَ الْاَنْصَارِ' سَاَلَتِ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ غُسْلِھَا مِنَ الْمَحِیْضِ' فَعَلَّمَھَا ﷺ کَیْفَ تَغْتَسِلُ' ثُمَّ قَالَ لَھَا: ((خُذِیْ فِرْصَۃً مُّمَسَّکَۃً "ای قطعۃ من القطن بھا اثر الطیب" فَتَطَھَّرِیْ بِھَا)).. قَالَتْ: کَیْفَ أَتَطَھَّرُ بِھَا؟ قَالَ: ((تَطَھَّرِیْ بِھَا))' قَالَتْ: کَیْفَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَتَطَھَّرُ بِھَا؟ فَقَالَ لَھَا: ((سُبْحَانَ اللّٰہِ تَطَھَّرِیْ بِھَا))[14]

> ''انصار کی عورتوں میں سے ایک عورت نے نبی مکرم ﷺ سے حیض کے غسل کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کو غسل کی تعلیم دی۔ پھر اس عورت سے فرمایا کہ ایک کپڑے کے ساتھ اس کو پونچھ لو (یعنی روئی کے ٹکڑے کے ساتھ اس داغ والے حصہ کو صاف کر دو) تو اس سے پاک ہو جاؤ گی۔ تو اس عورت نے کہا: میں اس سے کیسے پاک ہو جاؤں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس سے پاک ہو جاؤ گی''۔ عورت نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں کیسے پاک ہوں گی؟ آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: ''سبحان اللہ تم اس سے پاک ہو جاؤ گی۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ تو اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو جذب کر لے' پھر کہا کہ

فلاں فلاں جگہ پر اس کو رکھ دے جس جگہ تو خون کو دیکھتی ہے۔ پھر حضرت عائشہ ؓ نے اُس سے اس جگہ کی صراحت بھی فرمائی کہ وہ کون سی جگہ ہے۔

آپ ﷺ اس جیسے مسائل کو صراحت کے ساتھ بیان کرنے میں حیا محسوس کرتے تھے اور اسی قبیل کے مسائل ہیں جن میں کوئی عورت اتنی طاقت رکھتی ہو کہ اس کا نفس اس کی حیا پر غالب آجائے اور آپ ﷺ نے اس کے سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہو۔ مثلاً ہم اُمّ سلمہ ؓ کی اس روایت کو لیتے ہیں۔ فرماتی ہیں:

جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ (زَوْجُ اَبِي طَلْحَة) اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ لَهٗ: يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ غُسْلٌ اِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: ((نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ)) ـ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ: لَقَدْ فَضَحْتِ النِّسَاءَ وَيْحَكِ اَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ؟ فَأَجَابَهَا النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ بِقَوْلِهٖ: ((اِذًا فَبِمَ يُشْبِهُهَا الْوَلَدُ)) (١٥)

”اُمّ سلیم (ابوطلحہ کی بیوی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا‘ کیا جب عورت کو احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”ہاں! جب وہ پانی کی تری کو دیکھے“۔ پھر اُمّ سلمہؓ نے (اُمّ سلیم سے) کہا: تو نے تو عورتوں کی بات کو کھول دیا: تیرا ناس ہو‘ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کی اس بات کا جواب دیا: ”ایسا ہی تو ہے‘ وگرنہ بچہ عورت کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟“

آپ ﷺ کی اس جواب سے مراد یہ تھی کہ بچہ مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے‘ اس لیے اس بچہ کی مشابہت ماں یا باپ جیسی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝۲﴾ (الدھر)

”بے شک ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے پیدا کیا‘ ہم اس کی آزمائش کرنا چاہتے تھے‘ پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنا دیا۔“

اسی وجہ سے حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا تھا کہ انصار کی عورتوں پر اللہ رحم فرمائے کہ دین کے سیکھنے میں ان کو حیا نے نہیں روکا۔ انہی صحابیاتؓ میں سے ایک عورت رات کے اندھیرے میں دین کے بعض امور (حیض ونفاس وجنابت وغیرہ کے احکام) کے بارے میں حضرت عائشہ ؓ سے سوال کرنے آتی تھی۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات ؓ بہترین معلمات تھیں اور دین اسلام کی تشریح وتوضیح میں آپ ﷺ کے شانہ بشانہ کردار ادا کرتی تھیں۔ (١٦)

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ سُنّتِ مطہرہ صرف نبی کریم ﷺ کے قول ہی پر منحصر نہیں بلکہ یہ آپ ﷺ کے قول‘ فعل اور تقریر سب کو شامل ہے۔ اس لیے بہت سے تشریعی امور ایسے ہیں جن کی اتباع امت پر واجب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے گھریلو اقوال‘ افعال اور تقریر کو آگے پہنچانے والی یہی آپ ﷺ کی ازواج ہیں جو امت کی مائیں اور محسن ہیں۔

دوسری قسم: تشریعی حکمت

اب ہم تشریعی حکمت کو بیان کریں گے جو تعددِ ازواج کی حکمت میں سے ایک حکمت ہے اور یہ حکمت ہر

عقل وشعور رکھنے والے شخص پر ظاہر ہے۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کی بعض رسموں کو ختم کرنے کے لیے نکاح کیے۔ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو بھی وراثت میں حصہ دینے کے قائل تھے' حالانکہ منہ بولا بیٹا صلبی (حقیقی) نہیں ہوتا۔ چنانچہ عرب منہ بولے بیٹے کو قانونی اعتبار سے حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اور تمام احوال میں' مثلاً میراث' طلاق' شادی اور حرمتِ مصاہرہ' محرماتِ نکاح اور ان کے علاوہ دیگر امور میں زمانہ جاہلیت کی اس رسم کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے ہاں یہ بات عام تھی کہ غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے اور اس کو کہتے تھے کہ تم میرے وارث ہو اور میں تمہاری وراثت میں شریک ہوں۔ لیکن اسلام باطل کو باقی نہیں رکھ سکتا اور گمراہی کے اندھیروں میں چلنے والوں کو نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ اس کی اصلاح بایں طور ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی فرمائی کہ کسی بچے کو متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بناؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بیٹا بنایا اور لوگوں نے اس دن سے انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ امام مسلم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں:

اَنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا كُنَّا نَدْعُوْ اِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((اَنْتَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ بْنِ شُرَاحِيْلَ)) (۱۷)

''ہم زید بن حارثہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ کو زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے' یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (ترجمہ) ''پکارو ان کو ان کے باپوں کے نام سے' یہی اللہ کے نزدیک قرین انصاف ہے''۔ آپ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زید سے فرمایا کہ تو زید بن حارثہ بن شراحیل ہے۔''

آپ ﷺ نے زید بن حارثہؓ کی شادی اپنے چچا کی بیٹی (زینب بنت جحشؓ) سے کروائی۔ تاہم ان کا آپس میں نباہ نہیں ہو سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ زینب رضی اللہ عنہا قریش کی باوقار اور حسب ونسب والی خاتون تھیں جبکہ زید نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے بننے سے قبل آزاد کردہ غلام تھے۔ اس میں جہاں ایک حکمت یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے قائم کردہ حسب ونسب کے معیارات ختم کیے جائیں تو دوسری حکمت یہ بھی تھی کہ منہ بولے بیٹے کے حوالے سے پائی جانے والی جاہلانہ رسوم کا خاتمہ کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دی اور پھر اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان (زینبؓ) کے ساتھ شادی کریں تاکہ جاہلیت کی رسم ختم ہو جائے اور اسلام کی بنیاد (ایک مسئلہ پر) قائم ہو جائے۔ لیکن آپ علیہ السلام منافقین اور فجار کی زبان درازیوں سے گھبراتے تھے کہ وہ اس کے بارے میں بحث ومباحثہ کریں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی۔ آپ ﷺ نے یہ بات دل میں سوچی ہی تھی کہ اس پر اللہ عزوجل کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾﴾ (الاحزاب)

''اور (اے نبی ﷺ!) آپ لوگوں سے ڈرتے تھے' حالانکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ اس سے

ڈریں۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی گناہ نہ ہو جبکہ وہ ان سے حاجت پوری کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔''

یہ منہ بولے بیٹے کے حوالے سے پہلا اور آخری حکم ہے اور اس حکم کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کی اس قسم کی تمام رسمیں باطل ہو گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الاحزاب)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپ (ﷺ) اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں' اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب ؓ آپ ﷺ کی دوسری ازواج پر فخر کیا کرتی تھیں۔

اِنَّ (زینب) رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَتْ تَفْخَرُ عَلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ وَتَقُوْلُ: زَوَّجَكُنَّ اَهَالِيْكُنَّ، وَزَوَّجَنِیَ اللّٰهُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ (۱۸)

''حضرت زینب ؓ نبی کریم ﷺ کی دوسری ازواج پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں: تم سب کی شادیاں تو تمہارے رشتہ داروں نے کروائیں اور میری شادی اللہ نے ساتویں آسمان پر کروائی۔''

نبی کریم ﷺ کی تمام شادیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئیں نہ کہ آپ ﷺ نے اپنی خواہشات کے تحت کیں (نعوذ باللہ) جیسا کہ بعض جھوٹے تہمت لگانے والے اللہ کے دشمنوں کا دعویٰ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی یہ شادی بھی تشریعی تھی اور یہ اس رب کے حکم کے مطابق تھی جو علیم و حکیم ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کی حکمتیں باریک اور فہم میں دشوار ہیں' جس کو عقلیں اور افہام احاطہ نہیں کر سکتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ:

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (بنی اسراء یل)

''اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا۔''

تیسری قسم: حکمتِ اجتماعیہ

یہ حکمت بھی ظاہر ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیٹی (عائشہ ؓ) سے شادی کی جو کہ آپ کے خلیفہ اول ہیں۔ پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کی بیٹی (حفصہ ؓ) سے شادی کی۔ پھر آپ ﷺ حسب و نسب میں دیگر قریش کے ساتھ ملے اور متفرق قبائل کی عورتوں کے ساتھ شادیاں کیں تا کہ تمام قبائل اور لوگوں کے دل مضبوطی سے ایک چیز (اسلام) پر جم جائیں۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے ان قبائل کے دل آپ کی طرف مائل ہونے لگے۔

آپ ﷺ نے اُس شخص (حضرت ابوبکر صدیق ؓ) کی بیٹی (عائشہ ؓ) کے ساتھ شادی کی جس کے ساتھ تمام لوگ محبت کرتے تھے اور لوگوں کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور اپنے آپ اور اپنے مال اور اولاد کو دین اسلام کی نصرت کے لیے پیش کیا۔ نیز

آپ نبی ﷺ کے غم خوار تھے اور آپ ﷺ سے تکالیف کو دور کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام کے لیے جو بھی تکالیف پہنچیں ان کو برداشت کیا۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ ، وَمَا عَرَضْتُ الْاِسْلَامَ عَلٰی اَحَدٍ اِلاَّ کَانَتْ لَہٗ کَبْوَۃ (اَیْ تَرَدَّدَ) اِلاَّ اَبَا بَکْرٍ فَاِنَّہٗ لَمْ یَتَلَعْثَمْ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا ، اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی (۱۹)

''مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے دیا۔ اور تم میں سے جب کسی پر اسلام پیش کیا گیا تو اس میں اس نے سوچ بچار کیا (کہ اسلام لاؤں یا نہ لاؤں) مگر ابوبکرؓ ہیں جنہوں نے کوئی تردد نہیں کیا۔ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوست بناتا، لیکن آگاہ رہو کہ تمہارا ساتھی (محمد ﷺ) تو اللہ کا دوست ہے!''

نبی اکرم ﷺ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ بہت بلند تھا اور اسی وجہ سے ان کی بیٹی (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ شادی کی۔ اس عمل سے دونوں کے درمیان خاندانی قرابت واقع ہوئی اور باہمی تعلق مزید پختہ ہو گیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی اور خاندانی قرابت قائم کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک باصلاحیت اور زیرک انسان تھے۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت بخشی اور دین کے میناروں کو بلند کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اکرام میں آپ ﷺ نے اپنی دونوں بیٹیاں (رقیہ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہما) ان کے نکاح میں دیں۔ نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اپنی سب سے لاڈلی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا۔ یہ چاروں خلفاء بڑے بلند درجے کے صحابی ہیں اور امت مسلمہ میں آپ ﷺ کے بعد دین کی نشر و اشاعت میں آپ ﷺ کے صحیح جانشین ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت کو قائم کرنے والے ہیں۔

چوتھی قسم: سیاسی حکمت

نبی اکرم ﷺ نے تالیف قلوب اور افتراق زدہ قبائل کو جمع کرنے کے لیے ان قبائل میں شادیاں کیں۔ کیونکہ جب انسان کسی قبیلے سے یا کسی خاندان میں شادی کرتا ہے تو ان دونوں قبیلوں کے درمیان قرابت واقع ہو جاتی ہے۔

پہلی مثال: آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی۔ وہ اپنی قوم اور رشتہ داروں کے ساتھ (غزوۂ مریسیع میں) قید ہو کر آئی تھیں۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

اصاب رسول اللّٰہ ﷺ نساء بنی المصطلق' فاخرج الخمس منه ثم قسمه بین الناس' فاعطی الفرس سهمین والرجل سهما' فوقعت (جویریة بنت الحارث) فی سهم ثابت بن قیس' فجاء ت الی الرسول فقالت: یا رسول اللّٰہ انا جویریة بنت الحارث سید قومه' وقد اصابنی من الأمر ما قد علمتَ' وقد کاتبنی ثابت علی تسع اواق' فاعنّی علی فکاکی' فقال علیه السلام: ((أَوَخَیْرٌ مِنْ ذٰلِكَ؟)) فقالت: ما هو؟ فقال: ((اُؤَدِّیْ عَنْكِ کِتَابَتَكِ وَاَتَزَوَّجُكِ)).. فقالت: نعم یا رسول اللّٰہ۔ فقال رسول اللّٰہ: ((قَدْ فَعَلْتُ))(۲۰)

’’رسول اللہ ﷺ کے پاس بنی مصطلق کی عورتیں (قید ہو کر) آئیں۔ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے خمس لے لیا، پھر اس کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ گھوڑے والوں کو دو حصے اور ایک آدمی کو ایک حصہ دیا۔ جویریہ بنت الحارث، ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔ جویریہ آپ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میں جویریہ بنت الحارث اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں اور مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے اور ثابت بن قیس نے مجھے نو اوقیہ چاندی کے بدلے میں مکاتب بنایا ہے۔ تو آپ ﷺ میری گردن چھڑانے میں مدد کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اس سے بہتر معاملہ تیرے ساتھ نہ کروں؟ وہ کہنے لگی وہ معاملہ کیا ہے؟ فرمایا: میں تیرے بدلے مکاتبت ادا کر کے تیرے ساتھ شادی کر لوں! حضرت جویریہ کہنے لگیں: ٹھیک ہے یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایسا کر لیا۔‘‘

اس پر تمام مسلمانوں نے اپنے قیدی اس بنا پر آزاد کر دیے کہ اب یہ ہمارے سسرالی ہیں۔(۲۱) جب بنو مصطلق قبیلہ والوں نے یہ حسنِ اخلاق دیکھا تو وہ بہت متاثر ہوئے اور سب اسلام لے آئے اور دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ پس یہ شادی حضرت جویریہؓ کی قوم اور ان کے رشتہ داروں کے لیے باعث برکت بنی، اس لیے کہ اس شادی کی وجہ سے وہ اسلام میں داخل ہوئے اور غلامی سے نجات ملی۔ اس طرح حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے حق میں امن والی عورت بنی۔

دوسری مثال: اسی طرح آپ ﷺ نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کے ساتھ ان کے شوہر کے قتل ہونے کے بعد شادی کی جو غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئی تھیں۔ یہ بڑی صائب الرائے اور اپنی قوم میں بلند مقام و درجہ رکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کو دو کاموں کے بارے میں اختیار دیا۔

☆ آپ ﷺ ان کو آزاد کر کے ان کے ساتھ شادی کر لیں۔

☆ ان کو آزاد کر کے اپنے گھر کی طرف لوٹا دیا جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

روی ان (صفیة) رضی اللہ عنھا لَمَّا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِي ﷺ قَالَ لَھَا: ((لَمْ یَزَلْ اَبُوْكِ مِنْ اَشَدِّ الْیَھُوْدِ لِیْ عَدَاوَةً حَتّٰى قَتَلَهُ اللّٰهُ)). فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ فِیْ كِتَابِهٖ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (۲۲)

’’سیدہ صفیہ ؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ جب میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عقد نکاح میں آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا باپ یہود میں میرا سخت ترین دشمن تھا، یہاں تک کہ اللہ نے اس کو قتل کروا دیا۔ پھر کہنے لگیں: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ’’اور (قیامت کے دن) کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔‘‘

رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اختاری (میں تمہیں اختیار دیتا ہوں)، تم نے اپنے نفس کو میرے لیے روک لیا۔ اگر تو یہودیت کو اختیار کرتی تو قریب تھا کہ میں تجھے آزاد کر کے اپنی قوم کی طرف بھیج دیتا۔ حضرت صفیہ ؓ نے عرض کیا: میں نے اسلام کو پسند کیا اور میں نے آپ ﷺ کو سچا پایا آپ کی دعوت پہنچنے سے پہلے، اور

مذہب یہودیت میں دھوکا ہی تھا۔ اور اسلام میں نہ میرا کوئی بھائی ہے اور نہ لڑکا‘ پھر بھی آپ نے مجھے کفر اور اسلام کا اختیار دیا۔ پس میں نے اپنے آپ کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے قربان کر دیا۔

تیسری مثال: اسی طرح آپ ﷺ نے اُمّ حبیبہ رملہ بنتِ سفیان ؓ کے ساتھ شادی کی۔ اس وقت ابوسفیان مشرکوں کے بڑے سردار تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بڑے دشمن سمجھے جاتے تھے۔ لیکن ان کی بیٹی نے اسلام لاکر اپنے پہلے شوہر کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر ان کا شوہر حبشہ میں فوت ہوگیا اور یہ اکیلی رہ گئیں۔ نہ ان کا کوئی ولی اور نہ کوئی مددگار رہا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو حضرت امیہ ضمری ؓ کے ذریعے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔ جب یہ بات نجاشی تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا‘ کیونکہ نجاشی کو معلوم تھا کہ اگر یہ اپنے قبیلے کی طرف واپس لوٹتیں تو ان کا باپ ان کو کفر پر مجبور کرتا یا ان کو بہت سخت عذاب دیتا۔ پھر اس نے چار سو دینار دے کر اور کچھ ہدایہ کے ساتھ ان کو مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ شادی کی۔ جب ابوسفیان کو یہ خبر ملی کہ اُم حبیبہؓ کے ساتھ آپ ﷺ نے شادی کر لی تو ان کو اس بات پر افسوس نہ ہوا بلکہ اس پر فخر محسوس کیا‘ حالانکہ وہ اس وقت مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ابوسفیان کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے کی حکمت اور سبب خود ان سے اور دیگر صحابہؓ سے بھی تکالیف کو دور کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عمل کے بعد ابوسفیان اور ان کی قوم کے رویہ میں نمایاں تبدیلی آئی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ کا پہلا نکاح ابو ہالہ سے ہوا یا عتیق بن عائذ سے۔ ابن سعد کے مطابق ابو ہالہ اور جرجانی وابن حجر کے مطابق عتیق بن عائذ سے پہلا نکاح ہوا۔ اردو سیرت نگاروں میں علامہ شبلی نعمانی نے ابن سعد اور قاضی سلیمان منصور پوری نے جرجانی وابن حجر کا قول اختیار کیا ہے۔ ابو ہالہ سے آپؓ کے دو فرزند ہندؓ اور حارثؓ تھے۔ بعض روایات کے مطابق حارثؓ اسلام کے پہلے شہید تھے جبکہ ہندؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ اسی طرح عتیق بن عائذ سے آپؓ کی ایک بیٹی تھیں اور ان کا نام بھی ہند تھا۔ اسی وجہ سے آپؓ اُمّ ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ آپؓ کی تمام اولاد اسلام لائی اور آپ ﷺ کی کفالت میں رہی۔

(۲) حضرت سودہ اور حضرت عائشہ ؓ کا نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا اس لیے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق حضرت سودہؓ کو تقدم حاصل ہے اور اسی کو امت کے بڑے طبقے نے قبول کیا ہے۔

(۳) البتہ سکران بن عمروؓ سے آپؓ کے ایک فرزند عبدالرحمٰنؓ تھے جو جنگ جلولاء میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی کفالت اور تربیت بھی آپ ﷺ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

(۴) نکاح کے وقت عمر مبارک کیا تھی اس پر اختلاف ہے۔ اگرچہ سیرت نگاروں کے کثیر طبقے کی رائے یہ ہے کہ چھ سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصتی کے وقت عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ اس حوالے سے ماضی میں کافی کام ہوا ہے‘ تاہم کافی کام کی گنجائش اب بھی موجود ہے۔

(۵) بڑے بڑے جلیل القدر اصحاب رسول نے آپؓ سے روایت کی ہے۔ آپؓ کی روایات کی کل تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ راقم (محمد علی الصابونی) نے حضرت عائشہ ؓ کی تمام روایات، آثار اور فتاویٰ (جن کی مجموعی تعداد

چار ہزار تین سو سات ہے) کو جمع کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے جو ہنوز غیر طبع ہے۔

(۶) خنیس کے بارے میں قاضی سلیمان منصور پوری کی رائے یہ ہے کہ یہ بدر میں نہیں بلکہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ تاہم شبلی سمیت دیگر بہت سے سیرت نگاروں کی رائے میں ان کی شہادت احد میں ہوئی تھی۔ ان سے حضرت حفصہؓ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

(۷) ان کا پہلا نکاح طفیل، دوسرا عبیدہ اور تیسرا عبداللہ بن جحش سے ہوا۔ آپ ﷺ سے حضرت زینبؓ کا چوتھا نکاح ہوا تھا اور محض دو تین مہینے آپ ﷺ کی معیت میں رہ کر انتقال ہو گیا۔

(۸) عبداللہ بن عبدالاسد جو کہ ابوسلمہ کی کنیت سے مشہور تھے' وہ گیارہویں شخص تھے جو اسلام لائے۔ ان کی نماز جنازہ میں آپ ﷺ نے نو تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کو سہو تو نہیں ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔''

(۹) اہل سیر کے نزدیک حضرت ام سلمہؓ وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپؓ کی وفات بھی تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بعد ہوئی۔

(۱۰) علامہ شبلی نعمانی کے مطابق آپ ﷺ سے نکاح کے وقت ان کی عمر پینتیس سال تھی' جبکہ قاضی سلیمان منصور پوری کے مطابق عمر مبارک چھتیس سال تھی۔

(۱۱) عبیداللہ بن جحش دائم الخمر تھا اور عیسائی ہو گیا تھا۔ ہجرتِ حبشہ کے وقت یہ حضرت اُم حبیبہؓ کے ساتھ تھا اور حبشہ ہی میں ارتداد کی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔

(۱۲) حضرت صفیہؓ کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا' اس نے طلاق دی تو اس کے بعد اسلام کے سخت ترین دشمن کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا جو غزوۂ خیبر میں مارا گیا۔

(۱۳) صحیح البخاری (۶۲/۴)، سنن النسائی (۱۳۶/۶)، مستدرك حاكم (۳۹۰/۳)

(۱۴) صحیح البخاری (۸۶/۱)، مسلم باب الحیض (۶۰/۱)، مسند احمد (۱۲۲/۶)

(۱۵) مسند احمد (۳۰۶/۶)، التمهید لابن عبدالبر (۳۳۶/۸)

(۱۶) اس حوالے سے اگر دیکھیں تو ازواج مطہراتؓ سے مروی روایات کی تفصیل حسب ترتیب کچھ یوں ہے۔ حضرت خدیجہؓ پانچ روایات، حضرت عائشہؓ دو ہزار دو سو دس روایات، حضرت حفصہؓ ساٹھ روایات، حضرت اُم سلمہؓ تین سو اٹھتر روایات، حضرت جویریہؓ سات روایات، حضرت ام حبیبہؓ پینسٹھ روایات، حضرت صفیہؓ دس روایات اور حضرت میمونہؓ چھہتر روایات۔ ان روایات کی مجموعی تعداد دو ہزار آٹھ سو گیارہ بنتی ہے۔

(۱۷) مسلم (۱۸۸۴/۴)، طبرانی (۲۹۸/۱۲)

(۱۸) الحاوی الفتاویٰ للسیوطی (۱۰۰/۲)

(۱۹) مسند احمد (۴۳۹،۴۳۳،۳۷۷/۱)، قرطبی (۴۰۰/۵)

(۲۰) سنن الکبریٰ للبیهقی (۳۲۵/۶)، مسند شافعی (۵۶۵/۱۱)

(۲۱) شبلی کے مطابق آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سات سو تھی۔

(۲۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۸۸/۸)

❁❁❁

فقہ اسلامی اور مستشرقین

سلسلہ : تحریک استشراق : ایک تعارف (۷)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

قرآن‘ حدیث‘ سیرت اور تاریخ کے علاوہ مستشرقین نے فقہ اسلامی کو بھی اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔ شروع میں تو بعض فقہی کتب کے عربی سے انگریزی اور دیگر زبانوں میں تراجم کیے گیے جبکہ بعد ازاں اسلامی قانون کے بارے میں مستشرقین نے اپنے نقطہ ہائے نظر بھی بیان کرنا شروع کر دیے۔

بلاشبہ مغرب میں موجود قانون کی جمیع اقسام اور صورتوں کا مصدر رومی قانون (Roman Law) ہے جبکہ مشرق میں اسلامی قانون کو ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے‘ جس وجہ سے مغرب اسلامی قانون کو اپنا حریف خیال کرتا ہے۔ پس مستشرقین کی ایک جماعت نے اسلامی قانون کو خاص طور اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا تاکہ اس کے بارے میں تشکیک و شبہات وارد کر کے اس کی اہمیت کو کم کر سکیں۔ ذیل میں ہم فقہ اسلامی پر کام کرنے والے چند ایک معروف مستشرقین کا تعارف اور ان میں بعض کے موقف کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔

ڈنکن بلیک میکڈونلڈ (Duncan Black Macdonald) ۱۸۶۳ـ۱۹۴۳ء

ڈنکن میکڈونلڈ ایک امریکی مستشرق اور پروٹسٹنٹ عیسائی ہے۔ اس نے سامی زبانوں کی تعلیم گلاسگو اور برلن یونیورسٹی میں حاصل کی۔ اس کی دلچسپی مسلم الٰہیات (Muslim Theology) میں تھی جس سے اس کی توجہ ’’الف لیلة و لیلة‘‘ (One Thousand and One Nights) کی طرف ہوئی اور اس نے اس کتاب کو ایڈٹ کر کے شائع کرنا شروع کیا۔

میکڈونلڈ نے مسلم عیسائی تعلقات پر بھی کافی کچھ لکھا اور اس نے مشرق وسطیٰ میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کئی ایک پروٹسٹنٹ مشنریز بھی بھیجیں۔ اس کی کتابوں میں The Religious Attitude and Life in Islam اور The Life of Al-Ghazzali اور Aspects of Islam ہیں۔ فقہ اسلامی کے حوالے سے اس کی کتاب کا نام Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory ہے‘ جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔

اس نے انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopædia Britannica) کے ۱۹۱۱ء کے ایڈیشن میں امام ابوحنیفہ‘ امام احمد بن حنبل‘ امام بخاری‘ قاضی‘ مفتی اور دیوان وغیرہ کے عنوان سے کئی ایک مقالے بھی لکھے ہیں۔

گاٹ ہیلف بیگش ٹریسا (Gotthelf Bergstrasser) ۱۸۸۶ـ۱۹۳۳ء

بیگش ٹریسا جرمن مستشرق اور پروٹسٹنٹ عیسائی ہے اور سامی زبانوں کے ایک ماہر کی حیثیت سے معروف ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران وہ جرمنی کی طرف سے ترکی میں بطور آفیسر کام کرتا رہا اور اس دوران قسطنطنیہ یونیورسٹی (University of Constantinople) میں ایک پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ اس کی آخری جوائننگ ۱۹۲۶ء میں یونیورسٹی آف میونخ میں سامی زبانوں کے پروفیسر کی حیثیت سے تھی۔ ترکی میں قیام کے دوران ہی اس نے شام اور فلسطین کے سفر کے دوران عربی اور آرامی زبان سیکھی۔ وہ علی الاعلان نازی ازم کے خلاف تھا اور اس نے جرمن یہودی اسکالرز کی حفاظت کے لیے کافی اقدامات کیے۔

اس کی معروف کتابوں میں Introduction to the Semitic Languages ہے جو ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ اس نے زبانوں کے علاوہ قرآن مجید کی تاریخ اور قراءات پر بھی بہت کام کیا ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر اس کی دو اعتبارات سے تحقیقات ہیں جنہیں اس کے شاگرد جوزف شاخت نے اپنی ریسرچ میں مزید آگے بڑھایا ہے۔ ایک تو اس نے فقہی فکر کی خصوصیات اور امتیازات کا تعارف کروایا ہے اور دوسرا فقہ اسلامی میں تحقیق کے مناہج پر بحث کی ہے۔ یہ مباحث جرمن تحقیقی مجلے Der Islam میں ۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئے ہیں۔

یوزف فنز شاخت (Joseph Franz Schacht) ۱۹۰۲ـ۱۹۶۹ء

جوزف فنز شاخت ایک جرمن برطانوی مستشرق ہے۔ اہلِ مغرب میں اسے فقہ اسلامی یا قانون اسلامی کا ماہر ترین اسکالر سمجھا جاتا ہے۔ وہ ایک کیتھولک فیملی میں پیدا ہوا اور ابتدائی تعلیم جرمنی ہی سے حاصل کی۔ بیگش ٹریسا کا شاگرد ہے۔ ۱۹۳۲ء میں یونیورسٹی آف کیونیس برگ (University of Königsberg) میں پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۳۴ء میں نازی ازم سے اختلاف کی وجہ سے قاہرہ آ گیا اور یہاں ایک پروفیسر کی حیثیت سے ۱۹۳۹ء تک تدریس کی۔ ۱۹۴۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی جوائن کی۔ اس کے بعد یونیورسٹی آف لائیڈن نیدر لینڈ سے وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۵۷ء میں کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں تدریس شروع کی اور ۱۹۵۹ء میں یہیں علومِ اسلامیہ اور عربی زبان کا پروفیسر مقرر ہوا۔

فقہ اسلامی پر اس کی کتاب Origins of Muhammadan Jurisprudence آج بھی مغرب میں اپنے موضوع پر ایک مصدر سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اس کی ایک اور کتاب An Introduction to Islamic Law بھی ہے جو ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اس کے کئی ایک مضامین شامل ہیں۔ معروف اسکالر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اپنی کتاب "On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence" میں اس کے نظریات کا علمی محاکمہ کیا ہے۔

فقہ اسلامی کے بارے میں شاخت کا نقطہ نظر مغرب میں اس قدر مقبول ہوا کہ مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے اسے بہت زیادہ سراہا۔ ہیملٹن گب کا کہنا ہے کہ شاخت کا یہ کام کم از کم مغرب میں اسلامی قانون

اور تہذیب میں کسی بھی قسم کی مزید تحقیق کے لیے ایک مصدر بن گیا ہے۔(۱) کیولسن (N. J. Coulson) کا خیال ہے کہ شاخت نے اسلامی قانون کے بارے میں ایک ایسی تحقیق پیش کر دی ہے جس کو چیلنج کرنا ناممکن امر ہے۔(۲) شاخت کے نقطہ نظر کے بارے میں مستشرقین اس قدر متعصب ہو گئے تھے کہ جب امین المصری مرحوم نے یونیورسٹی آف لندن میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لیے شاخت کی تحقیقات کا تنقیدی جائزہ لینے کا موضوع پیش کیا تو وہ نامنظور کر دیا گیا۔(۳) شاخت کے نقطہ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا نہ تو کوئی نیا قانونی نظام وضع کرنے کا پروگرام تھا' نہ ہی دین اسلام میں محمد ﷺ کے پاس کوئی قانونی حیثیت تھی اور نہ ہی وہ منبع قدرت (source of authority) تھے۔(۴)

اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ قدیم فقہی مذاہب کی بنیاد دوسری صدی کے اوائل میں مسلم معاشرے میں سنت کے نام سے ہونے والے اعمال و افعال (living tradition) پر رکھی گئی جبکہ ان اعمال و افعال کا کسی بھی قسم کا تعلق پیغمبر اسلام ﷺ کے اقوال و افعال سے نہیں تھا۔(۵) شاخت کی ان قدیم فقہی مذاہب سے مراد اہل الرائے کا مکتبہ فکر ہے' جس کا مرکز کوفہ تھا اور اس کی سرپرستی امام ابو حنیفہؒ فرما رہے تھے۔ شاخت کے بقول اہل الرائے کے مکتبہ فکر کا مصدرِ شریعت مسلم معاشروں کا تواترِ عملی تھا اور سنت کی اصطلاح اسی تواترِ عملی کے معنی میں استعمال ہو رہی تھی۔

اس کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ان قدیم فقہی مذاہب یعنی اہل الرائے وغیرہ نے ایک ایسی حزبِ اختلاف (opposition) پیدا کر دی جنہوں نے اپنا فقہی موقف ثابت کرنے کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کی آئینی حیثیت (legal authority) کے بارے میں بہت سی غلط تفصیلات جمع کر دیں تاکہ وہ اپنا نقطہ نظر پیغمبر اسلام ﷺ کے نام سے منوا سکیں۔(۶) اس اپوزیشن سے اس کی مراد اہل الاثر یا اہل الحدیث کا مکتبہ فکر ہے' جس کا مرکز مدینہ تھا اور اس کی سرپرستی امام مالک بن انسؒ پر ختم ہوئی۔ شاخت کے بقول اہل الرائے کا جواب دینے کے لیے اہل الحدیث کو چونکہ قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی یا اضافہ مشکل محسوس ہوا تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کرتے ہوئے پہلے تو پیغمبر اسلام کو منبع قدرت بنا ڈالا' اور آپ کی یہ قانونی حیثیت ثابت کرنے کے بعد احادیث کا ایک ذخیرہ گھڑ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا تاکہ وہ اپنے فقہی موقف کو اہل الرائے کی رائے سے برتر ثابت کر سکیں۔ اس طرح اہل الرائے کی مخالفت میں اہل الحدیث کی طرف سے حدیث کی آئینی حیثیت اور احادیث گھڑنے کی تحریک کا آغاز ہوا۔

اس کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اہل الرائے اور اہل الحدیث کی اس مخالفت میں جب اہل الرائے نے یہ محسوس کیا کہ سنت کا جو معنی وہ مراد لے رہے ہیں یعنی تواترِ عملی وہ اہل الحدیث کی کاوشوں کی وجہ سے دب گیا ہے اور اب ایک نیا معنی وجود میں آ گیا ہے' جس کے مطابق سنت پیغمبر اسلام ﷺ کے اقوال اور افعال کا نام ہے تو اہل الرائے نے سنت کے نام سے اہل الحدیث کی اس درآمد کو روک لگانے کے لیے اپنا لائحہ عمل تبدیل کر لیا۔ چونکہ اسلامی معاشروں میں اہل الحدیث کے غلبے کی وجہ سے اہل الرائے کے لیے یہ مشکل ہو گیا تھا کہ وہ سنت کے نام سے اہل الحدیث کے جمع کردہ ذخیرۂ احادیث کا انکار کر سکیں لہٰذا اہل الرائے نے ان احادیث کی ایسی

تشریح کرنی شروع کر دی جو ان کے مکتبہ فکر کے موافق ہو۔ اس طرح اہل الرائے بھی اپنی دفاعی پوزیشن کی وجہ سے قانونی اور فقہی احادیث کے ذخیرے میں اُلجھ کر رہ گئے۔ (۷)

اس کا پانچواں نکتہ یہ ہے کہ اس باہمی لڑائی کے سبب سے دوسری صدی کے اواخر اور بالخصوص تیسری صدی میں فقہائے اسلام کی یہ عادت بن چکی تھی کہ وہ اپنی بات پیغمبر اسلام ﷺ کے منہ میں ڈال کر منواتے تھے۔ (۸)

اس کا چھٹا نکتہ یہ ہے کہ کوئی ایک بھی قانونی یا فقہی حدیث ایسی نہیں ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ سے مروی ہو' بلکہ یہ مسلمان علماء کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہزاروں قانونی اور فقہی احادیث پر مشتمل ذخیرہ وضع کر کے ایک عظیم اسلامی قانون کی بنیاد رکھی۔ (۹)

اس کا ساتواں نکتہ یہ ہے کہ جہاں تک فقہی یا قانونی احادیث کی اسناد کا تعلق ہے تو اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔ جن علماء نے اپنے مکتبہ فکر کی تائید میں احادیث وضع کی تھیں انہوں نے ان کی اسناد بھی وضع کر لی تھیں۔ (۱۰)

جہاں تک شاخت کا پہلا نکتہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو دین اسلام میں کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے یا ان کا مقصود امت مسلمہ کو کوئی قانونی نظام دینا نہیں ہے تو یہ قطعاً غلط مفروضہ (hypothesis) ہے۔ قرآن اس کی شدومد سے مخالفت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿...... وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

''......اور (اللہ کے رسول ﷺ) ان کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار دیتے ہیں اور انہیں ان بوجھوں اور طوقوں سے نجات دلاتے ہیں جو ان پر مسلط ہیں۔'' (۱۱)

اس آیت مبارکہ میں تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ گویا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے حلال قرار دیا' قرآن نے اسے حلال کہا ہے اور جسے اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا' قرآن نے اسے حرام کہا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کی یہ صفت بھی بیان ہوئی ہے کہ آپ لوگوں کی گردنوں میں پڑے ہوئے رسوم و رواج کے طوقوں سے انہیں آزادی دلاتے ہیں۔ کسی معاشرے کے رسوم و رواج بعض اوقات اس معاشرے میں قانون کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں جسے کامن لاء (common law) کہا جاتا ہے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف تحلیل و تحریم کے بیان کے ذریعے امت مسلمہ کو اسلامی قانون دے رہے تھے بلکہ اس جاہلی معاشرے میں پہلے سے موجود قوانین کو بھی باطل (void) قرار دے رہے تھے۔

ایک اور جگہ قرآن مجید میں مسلمانوں سے خطاب ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (التوبۃ: ۲۹)

''تم ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جسے اللہ نے یا اللہ کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا' اسے وہ حرام نہیں ٹھہراتے۔'' (۱۲)

اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے حرام کردہ اشیاء کو دین اسلام میں حرام نہ سمجھنا اتنا بڑا

جرم قرار دیا گیا ہے کہ اس پر قتال کا حکم ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ (النحل)

''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے وہ چیز کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تا کہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔''(۱۳)

اس آیت مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ آپ اللہ کی کتاب کی تبیین کریں۔ قرآن کی اصطلاح میں تبیین کے معنی اصل متن کی تشریح (interpretation) اور اس پر اضافہ (addition) بھی ہے' جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۶۷ تا ۷۱ سے واضح ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۵۹﴾﴾ (النساء)

''اے اہل ایمان! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ پس اگر تمہارا آپس میں کسی بھی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اس میں تمہارے لیے خیر اور انجام کے اعتبار سے بہتری ہے۔''(۱۴)

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات (disputes) میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع سے مراد اللہ کی کتاب کی طرف رجوع ہے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف رجوع سے مراد ان کی ذات یا ان کی اس دنیا سے رحلت کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع ہے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ دین اسلام میں مصدرِ قانون (source of law) نہیں ہیں تو باہمی جھگڑوں کے حل میں ان کی طرف رجوع کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوۡكَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾﴾ (النساء)

''پس آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں کہلائیں گے جب تک کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ سے فیصلہ نہ کروائیں اور پھر جو فیصلہ آپ نے کیا' اس کے بارے میں اپنے دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے دل سے تسلیم کر لیں۔''(۱۵)

پس اللہ کے رسول ﷺ کی دین اسلام میں اس قدر واضح آئینی اور قانونی حیثیت کے انکار کو ایک متعصبانہ رویہ (prejudiced approach) تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کوئی علمی سوچ (academic attitude) نہیں۔

اسی طرح شاخت اپنی تحقیق میں اس اہم نکتے کو جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہا ہے کہ احادیث کے علاوہ قرآن مجید میں بھی تو ہر شعبہ زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ قوانین بیان ہوئے ہیں۔ اگر بالفرض' شاخت کی بات مان لی جائے کہ فقہی احادیث کا ذخیرہ علماء نے وضع کیا ہے تو قرآن مجید میں اسلامی قانون سے متعلق جو آیات یا ہدایات موجود ہیں' ان کا واضع (author) کون ہے؟ اس سے شاخت کا یہ نقطہ نظر بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنی امت کو کسی بھی قسم کا کوئی قانون نہیں دیا تھا۔

اسی طرح اپنے اس نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لیے کہ اسلام کی پہلی صدی میں اسلامی قانون نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں تھی' شاخت نے یہ تک لکھ دیا کہ خلفائے راشدین کے دور میں کوئی قاضی نہیں تھا۔[16] حالانکہ خلافت راشدہ تو دور کی بات' اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ہی کچھ صحابہ کو مختلف علاقوں میں قاضی اور جج مقرر کیا گیا تھا' جن میں حضرات عبداللہ بن مسعود' ابوموسیٰ اشعری' علی بن ابی طالب' عمرو بن العاص' عمرو بن حزم' عتاب بن اسید' دحیہ کلبی' حذیفہ بن یمان' معقل بن یسار' معاذ بن جبل' ابی بن کعب' عمر بن الخطاب' عقبہ بن عامر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل ہیں' جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔[17]

پہلی صدی ہجری میں لکھی جانے والی قانونِ اسلامی کی کتب کی اگر ہم بات کریں تو حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کے یمن میں بطور قاضی عدالتی فیصلوں کو طاؤس (۳۳۔۱۰۱ھ) نے جمع کیا ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن ثابتؓ (م ۴۵ھ) کی وراثت کے مسائل پر کتاب موجود تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ان کے شاگرد ہمام بن منبہؒ نے صحیفہ نقل کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے عبداللہ بن عقیلؒ اور ابوجعفر الباقرؒ احادیث لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح امام شعبیؒ کی نکاح وطلاق اور دیت و وراثت پر تحریریں موجود ہیں۔[18] یہ پہلی صدی ہجری کے قاضیوں اور اسلامی قانون پر لکھی گئی کتب کی چند ایک مثالیں ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں شاخت کا یہ دعویٰ کیسے درست ثابت ہو سکتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں قانونِ اسلامی نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

نورمن کولڈر (Norman Calder) ۱۹۵۰۔۱۹۹۸ء

نورمن کولڈر کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں سکاٹ لینڈ میں ہوئی۔ اس نے جان ونزبرو (John Wansbrough) کی سرپرستی میں یونیورسٹی آف لندن سے اپنی پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان "The Structure of Authority in Imami Shi'i Jurisprudence" تھا۔ ۱۹۸۰ء میں یونیورسٹی آف مانچسٹر کے تحت مطالعہ مشرقِ وسطیٰ (Middle Eastern Studies) کے ڈیپارٹمنٹ کو جوائن کیا۔ ۱۹۹۸ء میں جبکہ وہ اسی یونیورسٹی میں ایک سینئر لیکچرر کے طور کام کر رہا تھا' اس کی وفات ہوگئی۔

اس کی کتابوں میں Studies in Early Muslim Jurisprudence اور Islamic Jurisprudence in the Classical Era اور Interpretation and Jurisprudence in Medieval Islam شامل ہیں۔ پہلی کتاب میں اس نے فقہ اسلامی کے مصادر اور تدوین کی بحث کی ہے۔ یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ دوسری کتاب نورمن کے چار مضامین پر مشتمل

ہے جنہیں اس کی وفات کے بعد کولن امبا (Colin Imber) نے ۲۰۱۴ء میں ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔ یہ مضامین دسویں سے چودھویں صدی عیسوی کے مابین تیار ہونے والے فقہی لٹریچر کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔ تیسری کتاب اس کے ۲۱ مضامین پر مشتمل ہے جنہیں اس کی وفات کے بعد ۲۰۰۶ء میں جاوید مجددی (Jawid Mojaddedi) اور اینڈریو رپین (Andrew Rippin) نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔

فقہ اسلامی کی تاریخ پر نومسلم اسکالر ڈاکٹر ابوامینہ بلال فلپس (Dennis Bradley Philips) کی کتاب The Evolution of Fiqh ایک اچھی کتاب ہے۔ بلال فلپس عیسائیت سے اسلام کی طرف آئے ہیں۔ انہوں نے ایم اے کی ڈگری شاہ سعود یونیورسٹی' ریاض اور پی ایچ ڈی یونیورسٹی آف ویلز' برطانیہ سے کی ہے۔ ۲۰۰۷ء سے اسلامک آن لائن یونیورسٹی کے چانسلر ہیں جس میں بعض کورسز بالکل مفت کروائے جاتے ہیں۔[19]

ڈاکٹر محمد الدسوقی کی بھی عربی زبان میں ایک مختصر تحریر 'الاستشراق و الفقه الإسلامي' کے نام سے موجود ہے' جس میں انہوں نے فقہ اسلامی پر مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی نے بھی اپنی کتاب 'المستشرقون ومصادر التشريع الإسلامي' میں فقہ اور اصولِ فقہ پر مستشرقین کے اعتراضات کا مفصل جواب دیا ہے۔

مستشرقین کے انسائیکلوپیڈیاز

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Encyclopaedia of Islam)

انسائیکلوپیڈیا کو اردو زبان میں دائرۃ المعارف اور عربی میں موسوعۃ کہتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Encyclopaedia of Islam) ایک ایسا دائرۃ المعارف ہے کہ جس میں اسلامی شخصیات' قبائل' ممالک' حکومتوں' علاقوں' شہروں' کلچر' ثقافت' تمدن' سیاسی اور مذہبی اداروں کے بارے میں اہلِ مغرب کے نقطہ نظر کو بیان کرنے والے تحقیقی مضامین شائع کیے گئے ہیں۔

اس کا پہلا ایڈیشن The Encyclopædia of Islam: A Dictionary of the Geography, Ethnography and Biography of the Muhammadan Peoples کے نام سے ۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۸ء کے مابین تقریباً ۲۵ سال میں شائع ہوا۔ اسے لائیڈن یونیورسٹی کے تعاون سے ڈچ پبلشنگ کمپنی برل (Brill) نے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن چار جلدوں (volumes) پر مشتمل تھا۔ بعد ازاں اس کے پانچ ضمیمہ جات (supplements) بھی شائع ہوئے اور اس طرح یہ کل ملا کر ۹ جلدیں بن گئیں۔ یہ ایڈیشن انگریزی کے علاوہ فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں بھی شائع کیا گیا۔ بعد ازاں اس کا ایک مختصر ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں Shorter Encyclopāedia of Islam کے نام سے لائیڈن ہی سے شائع ہوا۔ اس مختصر ایڈیشن کو بنیاد بنا کر اس انسائیکلوپیڈیا کا عربی' ترکی اور اردو زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا۔ اردو ایڈیشن 'مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ' کے نام سے پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۵۹ء سے ۱۹۹۳ء کے مابین شائع کیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۴ء سے ۲۰۰۵ء کے مابین تقریباً ۵۱ سالوں میں شائع

ہوا۔ اس ایڈیشن کو بھی برل (Brill) ہی نے انگریزی اور فرانسیسی دو زبانوں میں شائع کیا ہے۔ یہ ۱۲ جلدوں میں ہے جن میں سے ایک جلد تکملہ (supplement) ہے۔

اس کے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت ۲۰۰۷ء میں شروع ہوئی ہے اور اسے بھی برل (Brill) ہی شائع کر رہی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا کے جملہ ایڈیشن آن لائن بھی موجود ہیں لیکن مکمل رسائی کے لیے کچھ رقم مقرر کی گئی ہے۔

مستشرقین کا یہ انسائیکلوپیڈیا مغرب کے علاوہ مشرق میں بھی ایک مصدر بن چکا ہے۔ اسلام کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لیے یہ انسائیکلوپیڈیا ہمارے ہاں انگریزی پڑھے لکھے طبقے کا ایک فوری ریفرنس ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی ایڈیٹنگ میں وینز نک‘ شاخت‘ گب‘ جان برٹن‘ کریمر اور برنارڈ لیوس جیسے مخالفین اسلام مستشرقین کا خاصا اہم کردار رہا ہے‘ جن کے نظریات کے بارے میں ہم کسی قدر گفتگو سابقہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اسی طرح اس انسائیکلوپیڈیا کے معروف لکھاریوں میں نکلسن‘ مارگولیتھ‘ گولڈ زیہر‘ مکڈونلڈ‘ آربری‘ بروکلمان وغیرہ جیسے متعصب مستشرقین بھی شامل ہیں۔

قرآن حکیم کے موضوع پر جو تحقیقی مضمون اس انسائیکلوپیڈیا میں شامل ہے‘ اس میں یہ بات درج ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ پر شروع شروع میں جو وحی نازل ہوئی‘ جیسا کہ سورۃ الشمس‘ سورۃ القارعۃ‘ سورۃ التکاثر اور سورۃ العصر کی مثالیں ہیں‘ اس میں صرف مضامین کا بیان ہے جبکہ متکلم غائب ہے۔[20] یعنی خدا نے ان شروع کی سورتوں میں اپنا تعارف نہیں کروایا ہے اور مقالہ نگار اس شبہے سے اپنے اس اعتراض کو تقویت دینا چاہتا ہے کہ قرآن مجید پیغمبر اسلام ﷺ کی داخلی کیفیت کا اظہار تھا۔

مقالہ نگار کا کہنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنی زندگی ہی میں حالات کے تقاضوں کے مطابق قرآن مجید کی ایڈیٹنگ کرتے رہتے تھے۔[21] مقالہ نگار نے نولڈکے‘ شوالی‘ آرتھر جیفری اور جان برٹن جیسے متعصب مستشرقین کی تحقیقات کو بنیاد بنا کر قرآن مجید کی تاریخ‘ جمع وتدوین‘ مصاحف صحابہ اور قراءات کے نام سے اللہ کی کتاب کے بارے میں خوب شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں۔ اسی طرح محمد ﷺ کے نام سے اس انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار کا دعویٰ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نبوت سے پہلے‘ معاذ اللہ! بتوں کی عبادت کرتے تھے اور شروع شروع میں پیغمبر اسلام ﷺ پر جو سورتیں نازل ہوئیں‘ وہ محفوظ نہ رہ سکیں۔[22]

ڈاکٹر ابراہیم عوض نے اس انسائیکلوپیڈیا پر ’دائرة المعارف الإسلامية الاستشراقية: أضاليل وأباطيل‘ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے‘ جس میں اس انسائیکلوپیڈیا میں اسلام‘ قرآن‘ حدیث‘ اسلامی قانون اور اسلامی تاریخ وغیرہ کے بارے میں پائی جانے والے تعصب اور جھوٹ کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اس کے باوجود دو باتوں کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایک تو علوم اسلامیہ میں ایم فل کے لیول پر اس انسائیکلوپیڈیا کے مختلف موضوعات پر طلبہ سے علمی مقالے لکھوائے جائیں جبکہ پی ایچ ڈی کے لیول پر مختلف موضوعات پر تحقیق کروا کے اہل اسلام کے نقطہ نظر سے انگریزی‘ فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں اسلامی انسائیکلوپیڈیا تیار کروایا جائے۔

اس میں یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی جملہ یونیورسٹیوں کے اسلامیات کے شعبہ جات ہائر ایجوکیشن

کمیشن (HEC) کی رہنمائی میں باہم مل کر ایک ریسرچ کمیٹی بنائیں اور پھر اس کمیٹی کے تحت پروفیسر حضرات کو اس انسائیکلوپیڈیا کے لیے مقالہ جات لکھنے کا کام دیا جائے اور ان کی اس ریسرچ کو ایچ ای سی تسلیم کرے تو پاکستان میں یونیورسٹی لیول پر اسلامیات کے شعبے میں ہونے والی تحقیق کو ایک بامقصد رخ دیا جاسکتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف قرآن (Encyclopaedia of the Qur'an [EQ])

یہ انسائیکلوپیڈیا ۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے بھی برل پبلشرز نے ہی ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۶ء کے مابین لائیڈن سے شائع کیا ہے۔ اس کی ایڈیٹر' جین ڈامن مکولف (Jane Dammen McAuliffe) کا کہنا ہے کہ اس پراجیکٹ کو مکمل ہونے میں ۱۳ سال لگے ہیں۔ اس کا آغاز ۱۹۹۳ء میں ہوا اور تکمیل ۲۰۰۶ء میں ہوئی۔

اس انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگاروں کی تعداد ۲۷۸ ہے' جن میں سے تقریباً ۲۰ فی صد مسلمان ہیں اور ان میں سے بھی اکثر متجددین ہیں۔ یہ انسائیکلوپیڈیا بھی قرآن مجید کے بارے میں غلط فہمیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اِس انسائیکلوپیڈیا کے تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کے لیے مظفر اقبال صاحب کا ایک کافی مفید ریسرچ آرٹیکل The Quran, Orientalism, and the Encyclopaedia of the Quran کے نام سے ریسرچ جرنل Journal of Quranic Research and Studies (Vol3, Issue5, 2008) میں شائع ہوا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا اسلامیکا (Encyclopaedia Islamica)

یہ شیعہ اسلام اور ایران کے مطالعہ کے بارے میں ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا ہے' جسے برل' لائیڈن شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ انسائیکلوپیڈیا ۱۶ جلدوں میں شائع ہونا ہے جبکہ اب تک اس کی ۳ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ دراصل ایرانی انسائیکلوپیڈیا' دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی' کے منتخب مضامین کا ترجمہ ہے جو ایران سے ۳۵ جلدوں میں شائع ہونے والا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اینڈ مسلم ورلڈ

Encyclopedia Of Islam and The Muslim World میں پچھلی چودہ صدیوں سے اسلامی کلچر' تاریخ' سیاست اور مذہب پر بحث کی گئی ہے' جبکہ ماضی کے مقابلے میں حالیہ اسلامی دنیا کو نسبتاً زیادہ موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں امریکہ سے شائع ہوا ہے' دو جلدوں میں ہے اور ۱۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مضامین کافی اختصار سے بیان کیے گئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا

Encyclopedia Iranica ایران' مشرقِ وسطیٰ' وسط ایشیا اور برصغیر کی تہذیب اور تاریخ کے مطالعہ پر مشتمل کولمبیا یونیورسٹی' امریکہ کا ایک تحقیقی منصوبہ ہے۔ یہ منصوبہ ۱۹۷۳ء میں شروع کیا گیا اور ۲۰۱۲ء تک اس کی ۱۶ جلدیں شائع ہو چکی ہیں' جبکہ ابھی تک یہ الفبائی ترتیب (alphabetically order) میں "K" تک پہنچا ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا تک آن لائن فری رسائی موجود ہے۔

پرنسٹن انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک پولیٹیکل تھاٹ

The Princeton Encyclopedia of Islamic Political Thought کے نام سے یہ دائرۃ المعارف پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ نے شائع کیا ہے۔ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل یہ انسائیکلوپیڈیا نومبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا ہے اور اس کا موضوع اسلام اور مسلمانوں کے سیاسی تصورات ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک سولائیزیشن اینڈ ریلیجن

Encyclopedia of Islamic Civilisation and Religion کے نام سے یہ انسائیکلوپیڈیا راٹلج (Routledge) نے شائع کیا ہے۔ ۸۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے اور اس کا موضوع اسلامی تہذیب و تمدن ہے۔

آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک ورلڈ

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے ۱۹۹۵ء میں ایک دائرۃ المعارف The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World کے نام سے شائع کیا تھا' جس میں حالیہ اسلامی دنیا کے بارے میں معلومات کو جمع کیا گیا تھا۔ یہ انسائیکلوپیڈیا بعدازاں ۲۰۰۱ء میں ۴ جلدوں میں دوبارہ شائع ہوا۔ اس کا ایڈیٹر جان اسپوزیٹو (John L. Esposito) تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسی موضوع کو توسیع دیتے ہوئے ۶ جلدوں میں جان اسپوزیٹو ہی کی ادارت میں The Oxford Encyclopedia of the Islamic World کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ اشاعت ۲۰۰۹ء میں ہوئی ہے۔ اس میں اسلامی عقائد' قانون' تاریخ' شخصیات' سلطنتوں اور اداروں کا ذکر ہے۔ معاصر موضوعات میں سے ۱۱/۹' بے نظیر بھٹو' خودکش دھماکے' طالبان' طالبانائیزیشن اور حماس وغیرہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اینڈ پالیٹکس

حال ہی میں مارچ ۲۰۱۴ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے The Oxford Encyclopedia of Islam and Politics کے نام سے ایک انسائیکلوپیڈیا شائع کیا ہے۔ یہ دو جلدوں اور ۱۴۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا میں اسلام اور مسلم دنیا کے سیاسی تصورات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس میں بھی زیادہ تر مواد انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے سیاسی تصورات کے بارے میں ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کے لیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک ورلڈ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اینڈ ویمن

دائرۃ المعارف The Oxford Encyclopedia of Islam and Women کو حال ہی میں اکتوبر ۲۰۱۳ء میں شائع کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک ورلڈ کو بنایا گیا ہے۔ یہ دائرۃ المعارف دو جلدوں اور ۱۴۲۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مطالعہ جنس اور مذہب (gender and religion study) کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

مصادرومراجع

1- It will become the foundation for all future study of Islamic Civilization and law, at least in the West. (Al-A'zami, Muhammad Mustafa, On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence, Suhail Academy, Lahore, 2004, p. 1)
2- Schacht has formulated a thesis of the origins of Sharia law which is irrefutable in its broad essentials. (Ibid.)
3- Ibid.
4- Law as such fell outside the sphere of religion. The Prophet did not aim to create a new system of jurisprudence. His authority was not legal. As far as believers were concerned, he derived his authority from the truth of his religious message; skeptics supported him for political reasons.
5- The ancient schools of law, which are still the major recognized schools today, were born in the early decades of the second century AH By sunna they originally understood the "living tradition" (ai-'amr al-mu/tama'alaih), that is, the ideal practices of the community expressed in the accepted doctrine of the school of law. This early concept of sunna, which was not related to the sayings and deeds of the Prophet, formed the basis of the legal theory of these schools.
6- These ancient schools of law gave birth to an opposition party, religiously inspired, that falsely produced detailed information about the Prophet in order to establish a source of authority for its vie ws on j urisprude nee .
7- The ancient schools of law tried to resist these factions, but when they saw tiiat the alleged traditions from the Prophet were being imposed more and more on the early concept of surma, they concluded that "the best they could do was to minimize their import by interpretation, and to embody their own attitude and doctrines in other alleged traditions from the Prophet" that is, they joined in the deception.
8- As a result, during the second and third centuries All it became the habit of scholars to project their own statements into the mouth of the Prophet.
9- Hardly any legal tradition from the Prophet can, therefore, be considered authentic.
10- The system of isnad ("chain of transmitters"), used for the authentication of hadith documents, has no historical value. It was invented by those scholars who were falsely attributing their own doctrines back to earlier authorities; as such, it is useful only as a means for dating forgeries.
11- And makes lawful for them the good things and prohibits for them the evil and relieves them of their burden and the shackles which were upon them. (7: 157)
12- Fight those who do not believe in Allah or in the Last Day and who do not consider unlawful what Allah and His Messenger have made unlawful (9: 29)
13- And We revealed to you the message that you may make clear to the people what was sent down to them and that they might give thought. (16: 44)
14- O ye who believe! Obey Allah, and obey the Messenger, and those charged

with authority among you. If ye differ in anything among yourselves, refer it to Allah and His Messenger, if ye do believe in Allah and the Last Day: That is best, and most suitable for final determination. (4: 59)

15- But no, by your Lord, they will not [truly] believe until they make you, [O Muhammad], judge concerning that over which they dispute among themselves and then find within themselves no discomfort from what you have judged and submit in [full, willing] submission.(4: 65)

16- The first Caliphs did not appoint Kadis. (Schacht Joseph, An Introduction to Islamic Law, Oxford University Press, UK, 1982, p. 16)

17- On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence: 21

18- Ibid., p. 24-25.

19- http://www.islamiconlineuniversity.com (Islamic Online University has two sections namely, Diploma and Bachelor of Arts in Islamic Studies (BAIS) degree program. Diploma is completely free while for BAIS there is a fixed registration fee for each semester which is calculated on a sliding scale (from $40 to $120) depending on the student's country of residence.)
This book will be found to confirm Gold-ziher's results.(p. 4)

٢٠۔ هوتسما وآخرون' موجز دائرة المعارف الإسلامية' تعريب من الإنكليزية إبراهيم زكي وآخرون' مركز الشارقه للإبداع الفكري' الإمارات العربية المتحدة' ١٩٩٨ء' ص٨١٦٧۔

٢١۔ أيضاً: ص ٨١٦٨۔

٢٢۔ أيضاً: ص٩١١٥۔١٩١٦۔ ❁❁❁

بقیہ: کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار

قبل ازیں جامعہ ازھر کے پاس اپنی وقفیہ املاک (ٹرسٹ کی ملکیت) ہوا کرتی تھیں' جس کی آمدن سے جامعہ کے مصارف پورے کیے جاتے تھے۔ جمال عبدالناصر نے یہ ساری املاک سرکاری تحویل میں لے کر جامعہ کو سرکاری گرانٹ کا محتاج بنا دیا اور اس کے اعلیٰ مناصب کو درباری عہدوں میں تبدیل کر دیا۔ اس فسادِ عظیم کا یہ نتیجہ ہے کہ آج کے حالات اور تقریباً ایک صدی قبل کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا ہے۔ کہاں یہ کیفیت کہ مفتی اعظم مصر' شیخ الازھر اور هيئة كبار العلماء سب متفقہ طور پر ایسے شخص کو گمراہ اور غیر معتبر قرار دے رہے ہیں جو اسلام اور سیاست میں دوری اور جدائی کی بات کرتا ہے' جبکہ آج وہ دورِ نامسعود آ پہنچا ہے کہ شیخ الازھر شیخ احمد طیب اور مفتی دیارِ مصر شیخ علی الجمعہ الاخوان المسلمون' جو دين و دولة یعنی مذہب و سیاست کی یکجائی کے حامی ہیں' کو خوارج قرار دے رہے ہیں اور اُن کی برحق حکومت اور صدر مرسی کے خلاف غاصب و ظالم فوج کے ہم نوا اور کاسہ لیس بنے ہوئے ہیں۔ مزید ستم ظریفی دیکھیے کہ ایک حق گو عالم' مایہ ناز فقیہہ اور درجۂ اجتہاد کے حامل شخص شیخ یوسف القرضاوی کو اس ظالمانہ' دین دشمن اور طاغوتی موقف سے اعلانِ براءت کرنے کے لیے مصری هيئة كبار العلماء کی رکنیت سے مستعفی ہونا پڑا! سوچیے کہ

کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار......!!

تعارف و تبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : آیت الکرسی کے فضائل و تفسیر

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

ضخامت : ۲۶۷ صفحات قیمت: ۴۰۰ روپے

ملنے کے پتے : ☆ دار النور' اسلام آباد ☆ مکتبہ قدوسیہ' رحمان مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

کتاب کے مصنف پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی راسخ العلم مشاہیر علمائے اسلام اور محققین میں سے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ زبان و بیان کی خصوصی صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کا وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ ۲۹ عربی کتب اور ۲۶ اردو کتب کے مصنف ہیں۔ ان کی تمام کتب اصل مراجع اور مصادر کے حوالہ جات سے مزین ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب آیت الکرسی کے فضائل و تفسیر پر مشتمل ہے۔ آیت الکرسی قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے۔ مصنف نے بڑی عقیدت کے ساتھ اس کے فضائل لکھے ہیں اور معروف تفاسیر کی مدد سے اس کی تفسیر و تشریح بیان کی ہے۔ مبحث اول فضائل پر مشتمل ہے جو کتاب کے پچاس صفحات کو محیط ہے۔ مبحث دوم میں آیت الکرسی کو دس جملوں میں تقسیم کر کے ہر جملے کی شایان شان وضاحت کی ہے۔ پہلے جملے کی تشریح کرتے ہوئے توحید کی اہمیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی مضمون توحید ہی رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے مبحث میں اسمائے الٰہی الحی القیوم کی شان اور عظمت بیان کی ہے۔ آیت الکرسی میں جہاں شفاعت کا ذکر آیا ہے وہاں شفاعت کی ہمہ پہلو وضاحت کی ہے اور اس کو اذن الٰہی کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کا بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف ذات الٰہی ہی عالم الغیب ہے۔ مخلوق کی ہر صفت کی طرح صفت علم بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

کتاب کے اخیر میں چند صفحات پر مشتمل خلاصہ کتاب اور مصادر و مراجع کی فہرست ہے جو ۹۰ عربی کتب اور ۶ اردو کتب پر پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب جہاں حقیقی خوبیوں سے مزین ہے وہاں دیدہ زیب ہے۔ عمدہ سفید کاغذ ہے۔ کمپوزنگ شاندار اور غلطیوں سے پاک ہے۔ جلد مضبوط ہے۔

(۲)

نام کتاب : سیرۃ النبی ﷺ البم

مصنف : شاہ مصباح الدین شکیل

ضخامت : ۲۸۲صفحات ناشر: پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی

پاکستان سٹیٹ آئل (PSO) مشہور کمپنی ہے جس کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ تیل کے کاروبار کے علاوہ وہ بیس کے قریب اسلامی کتب شائع کر چکی ہے۔ یہ تمام کتابیں مستند اور معیاری ہیں۔ ان کتابوں کے سرورق کی تصاویر اس البم کے آخری صفحات میں دی گئی ہیں۔ ان میں ایک کتاب سیرتِ احمد مجتبیٰ ﷺ ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور صدارتی ایوارڈ یافتہ ہے۔

سیرت النبیؐ البم ایک وقیع اور قابلِ قدر تصنیف ہے جس میں اسلامی تاریخ کے نمایاں واقعات کو تصاویر کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ کتاب کی تزئین و آرائش ناشرین کے عمدہ ذوق اور حبِ نبی ﷺ کا مظہر ہے۔ کچھ تصاویر نایاب اور نادر اور کچھ کمیاب ہیں۔ مصنف نے بڑی جِدّ و جُہد کے ساتھ یہ تصویری البم تیار کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد سے لے کر آپ کی پیدائش' حالاتِ زندگی اور مراجعت الی رفیق الاعلیٰ تک کے واقعات مؤثر انداز میں واضح کیے ہیں۔ اس کے علاوہ پچھلی اُمتوں کے حالات اور انبیائے کرامؑ کا تذکرہ بھی ہے۔ تاریخ کے تمام حقائق کو تصویروں کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ اس شاہکار البم کی اشاعت پر پاکستان سٹیٹ آئل کمپنی مبارک باد کی مستحق ہے۔

(۳)

نام کتاب : صحابہؓ واہل بیت کرامؓ کے درمیان یگانگت اور محبتیں

مصنف : ابومسعود عبدالجبار سلفی

ضخامت : ۱۱۹صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: مدیر مرکز تفہیم القرآن والسنہ جامع مسجد سعد بن ابی وقاصؓ 'چوک حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ 0300-6960093

یہ کتاب ضخامت میں اگرچہ چھوٹی ہے مگر اپنے عنوان کو ثابت کرنے میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ اصحابِ رسولؐ اور اہلِ بیت کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وہ لوگ ہیں مجموعی طور پر جن کی تعریف قرآن میں مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بشارتیں ان کے حق میں موجود ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان مخالفت بھی ہوئی جو خونی جنگوں پر منتج ہوئی۔ کوتاہ نظر مصنفین نے ایک فریق کو صحیح اور دوسرے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی' مگر وہ یہ بات بھول گئے کہ سچے مسلمان بھائی بھی کبھی لڑ پڑتے ہیں اور ہر کوئی نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق

پر سمجھتا ہے۔ اس لڑائی کی بنیاد پر ایک فریق کو تعریف کا مستحق سمجھنا اور دوسرے کو معتوب کرنا بے خبری اور نادانی کی نشانی ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے عنوان کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

باب اوّل : آلِ رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ کے فضائل اور ان کی باہمی محبت کی مثالیں

باب دوم : اصحابِؓ رسول اور اہلِ بیت کے مابین محبت‘ اخوت اور یگانگت پر استدلال

باب سوم : اہلِ سنت کی نظر میں آلِ رسول کا مقام اور ان کے فضائل

باب چهارم : اُمتِ مسلمہ پر آلِ رسولؐ کے حقوق

باب پنجم : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت جزوِ ایمان ہے

کتاب مستند حوالہ جات سے مزین ہے۔ اگر کوئی گروہ بندی کا قائل تعصب کو چھوڑ کر اس کا مطالعہ کرے گا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور وہ اہلِ بیت کی عقیدت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی عظمت کو بھی تسلیم کرے گا اور ان گروہوں کے درمیان آویزش کی وجہ سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں میں پڑ کر خاطی اور اللہ کے غضب کا شکار نہ بنے گا‘ کیونکہ دونوں فریق قرآن وحدیث کی رو سے بشارتوں کے مستحق ہیں اور قرآن وحدیث فیصلہ کے لیے مستند ترین ماخذ ہیں۔

سطحی مطالعہ کرنے والے حضرت معاویہ بن ابی سفیان‘ حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت ہند زوجہ ابی سفیان (رضی اللہ عنہم) کو طعن کا نشانہ بناتے ہیں‘ مگر فاضل مصنف نے ان شخصیات کے رویے‘ ایمان اور صحابیت کو مستند دلائل سے واضح کیا ہے اور ان کی مذمت کرنے والوں کو راہِ راست اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۴)

نام کتاب : اسلامی حکمرانوں کے اخلاق واوصاف

مؤلف : مولانا عبدالباقی حقانی

مترجم : مولانا محمد جان حقانی

ناشر : مکتبہ حقانیہ پشاور‘ موبائل: 0332-9957692 - 0347-9061408

مولانا عبدالباقی حقانی صاحب کا نام علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں‘ اس سے پہلے ''اسلام کا نظامِ سیاست وحکومت'' کے نام سے آپ کی تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) صفحات کی ایک ضخیم کتاب شائع ہو چکی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب تقریباً چار سو (۴۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان تمام مطلوبہ صفات اور اہلیتوں کو بڑی تفصیل سے زیر بحث لایا گیا ہے جو ایک اسلامی ادارے کے سربراہ‘ حاکم یا امیر میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ خیر خواہی‘ اخلاص‘ شریعت کی پابندی‘ گڈ گورننس کی صلاحیت‘ سیاسی سمجھ بوجھ‘ عدل وانصاف‘ سچائی‘ وعدے کی

پاسداری، نظم ونسق، علم وجہاد میں امتیاز، شجاعت وبہادری، صبر وحلم، عفوودرگزر، عوام تک رسائی، مساوات، فرقِ مراتب سے خبرداری، سزا میں تاخیر، ذمہ داریوں کی تعیین وتقسیم، مستقل مزاجی، رعیت کے مسائل سے واقفیت، مشورے کی پابندی، دینی ودنیوی ترقی کا جذبہ، تواضع وانکساری اور ان جیسی بیسیوں دیگر اہم صفات کا ذکر بڑی جامعیت کے ساتھ کیا ہے۔

تمام صفات پر کلام کے دوران فاضل مؤلف نے ان صفات کی صحیح تعریف اور تطبیق کے لیے اصلی مصادر سے حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ پھر نبی اکرم ﷺ خلفائے راشدین ؓ اور عادل حکمرانوں کے طرزِ عمل کی روشنی میں ان کی وضاحت کی ہے۔

کتاب اصلاً عربی زبان میں تھی، استفادے کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے مولانا محمد جان حقانی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، اردو ترجمہ سلیس رواں اور شگفتہ ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب پوری قوم کرپٹ اور بددیانت حکمرانوں سے تنگ آ چکی ہے، اس کتاب کا مطالعہ عوام وخواص کے لیے یکساں ضروری ہے۔ خواص کے لیے اس لیے کہ وہ ان صفات اور خصوصیات پر غور کر کے ان کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنائیں اور عوام کے لیے اس لیے کہ وہ اس کتاب کی روشنی میں اپنے لیے ان نمائندوں کو منتخب کریں جن میں یہ صفات زیادہ سے زیادہ موجود ہوں۔

(۵)

نام کتاب : اسلام میں اسرار کی اہمیت وحفاظت

مؤلف : مولانا عبدالباقی حقانی

مترجم : مولانا محمد جان حقانی

ناشر : مکتبہ حقانیہ پشاور، موبائل: 0332-9957692 - 0347-9061408

موجودہ دور میں نظامِ رازداری (Secrecy System) ہر ریاست کی ایک بنیادی ضرورت بن چکا ہے بلکہ کسی ریاست کو استحکام اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک وہ ایک مضبوط Secrecy System کی مالک نہ ہو۔

افسوس ہے کہ بہت سے دیگر شعبوں کی طرح ہم اس شعبے میں بھی مغرب کے لادینی اور الحادی نظریات کی سوفیصد تقلید کرنے لگے ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مولانا عبدالباقی حقانی نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ کم وبیش تین سو (۳۰۰) صفحات پر مشتمل اس کتاب میں فاضل مؤلف نے حفاظتِ راز کے متعلق بہت سارا قیمتی مواد بڑے سلیقے اور ربط سے اکٹھا کیا ہے۔

کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب بارہ (۱۲) اور دوسرا دس (۱۰) فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

دونوں ابواب کے اہم مضامین یہ ہیں:

☆ راز کا تعارف' ماہیت اور اقسام

☆ راز کی حفاظت: قرآن وحدیث کی روشنی میں

☆ صحابہ کرامؓ اور حفاظت راز

☆ تابعینؒ اور حفاظت راز

☆ حکام کے لیے حفاظت راز کی اہمیت

☆ حکومتی رازوں کی شرعی حیثیت

☆ افشائے راز کا معنی' طریقے' اقسام اور نقصانات

☆ افشائے راز بطور جرم اور اس کی سزا

☆ وہ احوال جن میں افشائے راز جائز ہے' وغیرہ۔

ان انتہائی اہم موضوعات کے لیے فاضل مؤلف نے قرآن وسنت' سیرت وتاریخ اور فقہ وادب کے ہزاروں صفحات کا بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا ہے اور گوہر مقصود کو قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔

اصل کتاب عربی زبان میں تھی' مولانا محمد جان حقانی نے اردو قارئین کے لیے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اردو زبان میں ہماری معلومات کی حد تک اس موضوع پر یہ پہلی کاوش ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی اس عظیم کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہمارے نظامِ رازداری (Secrecy System) کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے سنگ میل قرار دے۔

(۶)

نام کتاب : فہم دین اسلام (تعلیمی وتربیتی کورس) پارٹ I

مرتبین : غازی محمد اسحٰق' عبدالستار اللہ

ضخامت : ۱۴۴ صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کے پتے: ☆ ادارہ علم القرآن' بوتل بازار' شاہ عالم مارکیٹ' لاہور

☆ انجینئر عبدالستار خان اللہ' Q-357' ماڈل ٹاؤن' لاہور

مرتبین کے ذہن میں اسلامی تعلیم کی نشر واشاعت کا ایک بڑا منصوبہ ہے۔ یہ کتاب اس سلسلہ کا آغاز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس دینی اور تعلیمی نصاب کی تدریس ایک معلّم کے ذریعے ہو جو طلبہ کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے اوقات مقرر کرے۔ گھریلو خواتین بھی ایک جگہ مل بیٹھ جائیں تو اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے حصے میں قرآنی آیات ہیں جو احکام وآداب کو واضح کرتی ہیں۔ اس حصے میں ضروری عنوانات کے تحت آیات دی گئی ہیں اور ان کی مختصر تشریح کی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں احادیث مبارکہ ہیں جس میں مختلف اوقات میں مانگی جانے والی دعائیں اور اہم اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے۔

تیسرے حصے کا عنوان ہے: معرفت اسلام۔ یہ حصہ ارکانِ اسلام اور سیرت النبی ﷺ پر مشتمل ہے جس میں نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج کا ذکر دلنشین انداز میں اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حالات بھی دیے گئے ہیں جن میں معاملات اور اخلاقیات کی تعلیم ہے۔ آخر میں قرآن کوئز ہے جو 100 سوالات پر مشتمل ہے۔

چوتھے حصے میں عربی‘ انگلش اور اردو کے اہم الفاظ اور جملے دیے گئے ہیں۔ آخر میں قرآن کوئز کے سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ کتاب میں کہیں کہیں پروف ریڈنگ کی غلطیاں ہیں جن کی اگلے ایڈیشن میں اصلاح ہونی چاہیے۔ مجموعی طور پر کتاب بڑوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

(۷)

نام کتاب : قادنیت کی تردید میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی خدمات

مصنف : عبدالرشید عراقی

ضخامت : ۱۴۴ صفحات‘ قیمت:

ملنے کا پتہ : جامعہ خاتم النبیین‘ سموریال‘ ضلع سیالکوٹ

عبدالرشید عراقی جانے پہچانے صاحب علم اور ادیب ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتنہ قادیانیت کی تردید میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ہم عصر تھے۔ وہ ان علماء کے سرخیل ہیں جنہوں نے قادیانیت کی تردید میں پہل کی۔ اس ضمن میں مولانا امرتسری کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت کے ضمن میں اُن کی کاوشوں کا اعتراف ہر طبقہ کے علماء نے کیا ہے اور انہیں فاتح قادیان کا خطاب دیا ہے۔ اس کتاب میں اول ختم نبوت کے حق میں قرآن وحدیث سے دلائل دیے گئے ہیں۔ پھر مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کوششوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو انہوں نے قادیانیت کی تردید میں کیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں اور کامیاب مناظرے کیے‘ جن کی تعداد ۴۰ سے زیادہ ہے۔ مناظرہ لدھیانہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے جس میں جیتنے کے بعد مولانا امرتسری کو طے شدہ شرط کے مطابق قادیانیوں نے ۳۰ روپے ادا کیے۔ کتاب میں جگہ جگہ مرزا صاحب کی پیش گوئیوں کا ذکر ہے جن میں اکثر جھوٹی نکلیں‘ مثلاً مرزا صاحب نے مولانا امرتسری کو کہا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا لیکن ہوا یہ کہ مرزا مر گیا اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اُس کی وفات کے بعد ۴۰ سال تک زندہ رہے اور قادیانیت کا تعاقب کرتے رہے۔ ان کی کوششوں کے ضمن میں یہ کتاب بڑی حد تک کفایت کرتی ہے۔

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa—cont....

(Ayaat 44-59, inclusive)

Translator's Note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the messenger of Allah (SAWS) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by Dr. Muhammad Taqi-ud-Din Al-Hilali, Ph.D. & Dr. Muhammad Muhsin Khan, has been used in order to synchronize the use of modern English Language which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

Recap:

The reader would recall that we had ended our previous translation and elucidation of Surah An-Nisa at verse 43, which related to the merciful concessions bestowed upon Muslims by our Creator (SWT) and Sustainer (SWT) at times when even in the performance of His (SWT) strictest of Commandments made binding on us, we are unable to find the means and resources to fulfill them. The divine gift of Tayammum and the relevant guidelines of how to perform it were

one of the subjects addressed in verse 43 and indeed the whole passage commencing from verse 35 related to the relationship between spouses and the justice that has been made mandatory by Allah (SWT) when those in wedlock are planning on separating from one another via divorce. When read between the lines, the message given to us by the Qur'an was that Allah (SWT) is indeed immensely Pardoning and Forgiving, yet equally Just.

After the aforementioned recap of the previous verse, we will now continue from verse 44 of the same Surah.

Verse 44

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾

"Have you not seen those who were given a portion of The Book (The Torah) purchasing the wrong and wish that you (O Muslims) should go astray from the Right Path."

Most exegetes of the Qur'an are in unison in believing that this verse refers to the Jews as this attitude of theirs is also mentioned in Surah Al-Baqarah. They have purchased error for themselves by concealing what Allah (SWT) has revealed unto them, and because of their arrogance as the Chosen People of the Lord and their envious attitude towards the rest of Mankind, especially Muslims, was and is still even up to this day that would that Muslims too abandon what has been revealed unto their Prophet (SAWS) by Allah (SWT) and thus go astray from the right path.

Verse 45

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾

"Allah (SWT) has full knowledge of your enemies, and Allah (SWT) is Sufficient as a Protector, and Allah (SWT) is Sufficient as a Helper."

The verse consoles Muslims in which Allah (SWT) discloses that He (SWT) knows exactly those who want the believers to abandon their faith and turn away from their religion. He (SWT) is sufficient for the believers as a Protector as well as a Helper against all enemies, irrespective of time and era, [provided that the Muslims remain faithful to Him (SWT) and His Messenger (SAWS)].

Verse 46

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ
وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

"Among those who are Jews, there are some who displace words from (their) right places and say, 'we hear and we disobey', and 'Hear (listen nonchalantly), may you hear nothing.' And (they say) Ra'ina with a twist of their tongues and as a mockery of this religion (Islam). And if only they had said, 'We hear and obey', and (kindly turn your attention towards us and) 'look at us', it would have been better for them, and more proper, but Allah (SWT) has cursed them for their disbelief, so they believe not except a few."

This malicious attitude of the Jews towards the Prophet (SAWS) has been described in much detail in verse 104 of Surah Al-Baqarah. Whenever they met the Prophet (SAWS), they would greet him with twisted expressions. They would say to him 'Ra'ina' which means 'O our Shepherd', and when Allah's Messenger (SAWS) recited Allah's (SWT) verses to them, they would say 'We have heard' and in an undertone utter 'We do not obey' and when they wanted Prophet's (SAWS) attention they would say 'Hear' and would add 'May you hear nothing'.

On the other hand, Allah (SWT) says that if they had obeyed Him (SWT) and His Messenger (SAWS) and instead would have said: 'We hear and we obey' and 'kindly turn your attention towards us and look upon us', then it would surely had been better for them in this world and in the Hereafter. However, almost all of them disbelieved, except a select few, thus incurring the wrath of Allah (SWT) upon them in this world and in the Hereafter.

Verse 47

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ
نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝

"O you who have been given the Scripture! Believe in what We (SWT) have revealed (unto the Messenger SAWS), confirming what is with you (The Torah and the Gospel), before We (SWT)

obliterate your faces and turn them backwards or curse you as We cursed the people of the Sabbath (Those Jews who broke their covenant with Allah SWT not to go fishing on Saturdays). And the Commandment of Allah (SWT) is always executed."

The verse requires of all those who claim to be rightly guided in their own cognizance (especially the People of the Book), to believe in the Qur'an, which is revealed unto Prophet Muhammad (SAWS) with Truth, and it has come confirming the Truth found in the previous scriptures (The Old and the New Testaments etc.) Allah (SWT) commands the People of the Book to believe in His revelations and His Messenger (SAWS), and warns them that if they disbelieve then He (SWT) will disfigure their faces and turn them to their backs, as was the fate of those who broke their covenant to observe the sanctity of the Sabbath (day) and thus Allah (SWT) punished them and turned them into apes. He (SWT) does whatever He (SWT) wills. What Allah (SWT) ordains shall definitely be accomplished, no matter how hateful it is for them.

Verse 48

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ۝

"Verily, Allah (SWT) forgives not that any deity be made partner with Him (SWT), yet He (SWT) forgives all other (sins) of whomsoever He (SWT) pleases, and whoever sets up partners with Allah (SWT), he has indeed invented a tremendous sin."

Shirk (associating partners with Allah (SWT)) is the most heinous of all sins in the sight of Allah (SWT), which He (SWT) will not forgive except for those who sincerely repent afterwards. But other than that, He (SWT) may forgive all sins individual sins committed by one (excluding those that have been a cause of harm to others in which case forgiveness of the aggrieved party too is a pre-condition for the pardon) if He (SWT) pleases. But this does not mean that if we refrain from shirk then we are free to indulge in other crimes; rather this is just to emphasize and make us aware what a terrible sin shirk is.

Verse 49

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ أَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

"Have you not seen those who claim sanctity for themselves? Nay -

but Allah (SWT) sanctifies whomsoever He (SWT) pleases. And they will not be dealt with injustice equivalent even to a thread."

The Jews claim that they are the chosen people of the Lord and the most beloved to Allah (SWT), but the truth is that He (SWT) knows their true reality and He (SWT) purifies whomsoever He (SWT) pleases, meaning that they will be rewarded (or punished) according to their deeds and no injustice will be done to any of them even in the least bit.

Verse 50

انظر كيف يفترون على الله الكذب وكفى به إثما مبينا ۝

"Look, how they invent a lie against Allah (SWT), and enough is that (lie) as a manifest sin."

This refers to the false statements of the Jews, such as 'we are the chosen ones of the Lord' (no matter what we do and how we behave) and that 'the Hellfire cannot harm us but only for a few days'; i.e., they fabricated lies against Allah (SWT) which in itself is a major sin. Inventing falsehood about or against Allah (SWT) is in itself a seriously grievous sin.

Verse 51

ألم تر إلى الذين أوتوا نصيبا من الكتاب يؤمنون بالجبت والطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلاء أهدى من الذين آمنوا سبيلا ۝

"Have you not seen those who were given a portion of the Scripture (i.e., the Jews). They believe in Necromancy and Taghut (Evil with a capital E) and they say to the disbelievers that you are better-guided regarding to the way (right path) than the believers."

In Surah Al-Baqarah, the word Taghut is defined, which refers to the forces of evil that try to rebel against Allah (SWT). In other words, all that turns one away from the path of Allah (SWT) and leads him into the evil trap of Satan is Taghut. As is the case in a state which does not govern according to the laws legislated by Allah (SWT).

The Jews in their arrogance and even more in their envy against the Messenger of Allah (SAWS) and the Muslim, thus Islam in general, even went to the extent of saying that the polytheists were better guided than the Muslims, even though they knew that the polytheists

associate partners with Allah (SWT) and did not believe in His (SWT) Oneness like the Muslims.

Verse 52

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

"They are those whom Allah (SWT) has cursed, and he whom Allah (SWT) curses, you will not find for him (any) helper."

The verse is self-explanatory and oft-repeated regarding the (mis)conduct of the Jews and their ultimate fate due to their actions (mindset, attitude and behavior) mentioned in the previous verses and at various other places throughout the Qur'an. They are a people on whom Allah (SWT) has unleashed His (SWT) curse and one who is cursed by Allah (SWT) has no respite and nobody dares respond to his call for help.

Verse 53

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝

"Or have they a share in the kingdom (of Allah SWT)? In that case they would not give mankind even a speck."

Allah (SWT) condemns the Jews for such niggardly attitude that if they were given a portion in the governance of the kingdom of the heavens and the earth, they would not have anything to mankind, rather kept all for themselves and felt the avarice for even more.

That is exactly what the bloodsucking Zionist Bankers are doing to the ordinary masses, whom they call 'gentiles' or 'goyimns', by ripping them off in various ways including the use of 'bank interest' and refusing to accept the status of all humans as equal before Allah (SWT). (The only exception is those who have higher ranks due to piety and righteousness of deeds.)

Verse 54

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝

"Or do they envy men for what Allah (SWT) has given them of His Bounty? Then We had already given the family of Abraham (AS) the Book and the Wisdom, and conferred upon them a great kingdom."

This verse (as believed by most exegetes of the Qur'an) is also with reference to the Jews and their envious behavior towards Prophet Muhammad (SAWS) and his followers due to the kingdom and leadership that Allah (SWT) has bestowed on them, as he (SAWS) is also from the progeny of Abraham (AS) whom Allah (SWT) appointed as the leader of all humankind. Therefore, Allah (SWT) preferred His Messenger (SAWS) and his followers over all other nations, gave them the divine Book and Wisdom and elevated them to the rank of the new Muslim Ummah, a position previously held by the Children of Israel. Additionally He (SWT) gave them the leadership (which actually stands for the vicegerent of Allah SWT) as was given to the children of Abraham (AS), such as the Prophets David (AS) and Solomon (AS) amongst his progeny.

Verse 55

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝

"Of them are (some) who believe in him (SAW), and of them are (some) who avert their faces from him (SAW); and enough is Hell for burning (them: the latter)."

During the lifetime of Prophet Muhammad (SAWS) there were some (very few) Jews who believed in him as the final Messenger of Allah (SAWS) and sincerely followed him, such as Abdullah bin Salam (RA), but others (most of them) turned away from him even though they knew from their knowledge of the previous scriptures that he was a true Messenger of Allah (SAWS). The latter sort of Jews, which outnumbered the former kind in majority, have been promised Hellfire due to their disbelief in the Messenger of Allah (SAWS), which amounts to a disbelief in Allah (SWT) Himself, and hell, Allah (SWT) remarks, is sufficient a punishment for them (due to its unimaginable and eternal torment).

Verse 56

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

"Surely! Those who disbelieved in Our signs, We shall burn them in Fire. As often as their skins are roasted through, We shall change them for other skins that they may taste the punishment. Truly,

Allah (SWT) is Most Powerful, All-Wise."

When they will be castigated and thrown in the Hellfire, it will burn their skins. But no sooner will their skins be burnt and their flesh roasted that it will be replaced by new skins so that their pain and suffering does not decrease.

> It is reported that Abdullah ibn Umar (RA) said (regarding this ayah): "When their skin is burned, they will be given another skin in replacement, and this skin will be white as paper." *[At-Tabari 8:485]*

This is one of the great miracles mentioned in the holy Qur'an, which have only recently been discovered. At first, it was thought that the sense of feeling and pain was only dependent on the brain but recent advancement in the science of medicine made it possible for the scientists to be able to prove that there are pain receptors present in the skin which make a person feel pain and if they are destroyed then he will not feel anything. Therefore, whenever the fire will burn the skin of a disbeliever, a new skin will be given to him so that he feels pain continuously. Allah (SWT) is truly Almighty, Wise.

__Verse 57__

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ
مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝

"And (however) those who believe and do deeds of righteousness, We shall admit them to Gardens under which rivers flow, abiding therein forever. Therein they shall have purified spouses and We shall admit them to shades wide and ever deepening."

In the previous verse Allah (SWT) described the attitude of the disbelievers and that they will ultimately be the inmates of the Hellfire.

In this verse, using the 'pain and pleasure principle', Allah (SWT) mentions about the 'pleasure' part, i.e., the residents of the Paradise which will comprise those who believe in Him (SWT) and His Messenger (SAWS), and also perform righteous deeds. Therein Allah (SWT) will bestow on them His (SWT) blessings and they will reside in it forever. Allah (SWT) will admit them to an abode

with spouses that would satiate them and with shades that are cool and refreshing in nature. This will be in addition to all else bestowed on the entrants of Jannah, a place filled with joy that a human mind cannot even begin to imagine!

The next two verses give a basic introduction to the main institutions of a modern Islamic state: Legislature, Executive and Judiciary, which constitute the structure of the System of Caliphate. In the Islamic political system, the concept of Caliphate is based on the negation of human sovereignty, the cornerstone of modern democracy which declares that "sovereignty belongs to the people", which is totally incompatible and unacceptable within an Islamic state. And this is so because the absolute sovereignty belongs to Allah (SWT) alone. Since human beings cannot claim to be sovereign, all they are left with, therefore, is to be vicegerents of Allah (SWT), i.e. man is not sovereign in his own right; instead he is the Khalifah of Allah (SWT) – the vicegerent of God, whose duty is to implement the instructions and commandments of Allah (SWT). However, in matters concerning where there is no express order from the Sovereign, a Caliph is free to evaluate the situation himself, discuss it with his aides (Shura) and take a reasonable decision, according to the commandments and fundamental teachings of the Qur'an and the Sunnah. This is precisely the relationship between Divine Sovereignty and human vicegerency. Before the institution of Prophethood was concluded, the prophets of Allah (SWT) were His vicegerents in their individual capacities. In other words, by virtue of the fact that they used to receive direct revelation from Almighty Allah (SWT), all prophets were His representatives on earth; they were responsible for implementing His Orders and executing His Will. This implies that Caliphate, before the conclusion of Prophethood, was strictly individual and personal, as it used to be the prerogative of a single person, i.e., the prophet, to implement and execute the orders of the Real Sovereign.

With the advent of Prophet Muhammad (SAWS), the institution of Prophethood along with the institution of the Caliphate as a personal and individual representation came to an end, as no one can claim now that he is receiving direct revelation from Allah (SWT), as was with the Prophets. Thus, after the Holy Prophet (SAWS) passed away, the institution of Caliphate must become the collective affair of the entire Muslim community rather than the individual affair of a ruler.

Therefore, we should take the principles and ideals from the model of the Prophet Muhammad (SAWS) and the Rightly Guided Caliphs (RA), and then incorporate these principles and ideals in the political institutions that have been developed in the contemporary civilized world as a result of the process of social evolution. It is important to emphasize here the point that there is no definite form or structure of government in Islam. All we have been provided with are certain binding principles and ideals that we must uphold and implement, although the exact manner of their implementation may vary according to the changing social and political conditions. In this context, we believe that there are three basic principles that, if incorporated in any constitution and form of government, will lead to the establishment of the System of Caliphate (Khilafah). These three principles are as follows:

1. Sovereignty belongs to Almighty Allah (SWT) alone.
2. No legislation can be done at any level that is totally or partially repugnant to Qur'an and Sunnah. and
3. Full citizenship of the state is for Muslims only, while non-Muslims are a protected minority.

If these three principles are incorporated in their true spirit in the constitution of a state, it will become an Islamic state or embodiment of the system of Khilafah, irrespective of the specific details of governance.

<u>**Verse 58**</u>

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

"Verily! Allah (SWT) commands that you should render back the trusts to those, to whom they are due. And that when you judge between men, (you should) adjudicate with justice. Verily, how excellent is the teaching which He gives you! Truly, Allah (SWT) is the All-Hearer, All-Seer."

This first command in this verse refers to all types of trust, whether it is the collection of Zakah, penalties for sins, vows or even when electing a Caliph of an Islamic state. The Muslims are enjoined to entrust the positions of responsibility to qualified and competent

people of moral character, instead of dishonest, narrow-minded and unjust people.

Another crucial matter addressed in the verse what some scholars refer to as the 'hallmark' of a true Welfare Islamic state is the non-partisan role played by the Judiciary. The verse continues by challenging all rival systems of governance, between the lines, as Allah (SWT) warns the Muslims not be dishonest and unjust and commands them to always enjoin what is just and judge between the people with justice, whether they be Muslims or non-Muslims, with the benchmark for justice being His (SWT) Divine commandments and His (SWT) teachings that He (SWT) has revealed to His Prophet (SAWS) in the shape of the Qur'an and the Sunnah respectively.

He (SWT) ends the verse on a familiar note that ultimately it is a test for all and He (SWT) knows those who fulfill their trust and enjoin justice and those who are dishonest and unjust.

<u>**Verse 59**</u>

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

"O you who believe! Obey Allah (SWT) and obey the Messenger (Muhammad SAW), and those of you (Muslims) who are in authority. (And) if you differ in anything amongst yourselves, refer it to Allah (SWT) and His Messenger (SAWS), if you believe in Allah (SWT) and in the Last Day. That is better and more suitable for final determination."

As mentioned earlier an Islamic state is based on some fundamental principles that have been laid down in this ayah. The first and the foremost is the obedience to Allah (SWT). The Muslims should only worship and obey Allah (SWT) and give their allegiance to Him (SWT). The allegiance and obedience to any other than Allah (SWT) is only possible if it does not oppose His obedience e.g. allegiance to His Prophets and Caliphs, because there is no obedience to anyone if it involves disobedience of Allah (SWT). After the obedience of Allah (SWT) the next allegiance and obedience is to the Holy Prophet (SAWS). One of the duties of the Messenger of Allah (SAWS) (and a major one) is to convey the message and propagate it, and we have to obey him (SAWS) because there is no other way that we could receive the instructions and commandments of Allah (SWT). Hence the only

way to obey Allah (SWT) is to obey His Prophet (SAW) and if we disobey him then in fact we disobey Allah (SWT). After Allah (SWT) and His Prophet (SAWS), comes the obedience to those who are entrusted with authority. It is the responsibility of the Muslims to select those on the positions of responsibility and authority who are worthy of it and not those who are incompetent and unjust. Once selected then they should be obeyed, provided that the following two conditions are met.

Firstly, they should be from among the Muslims as a non-Muslim cannot be in authority over the Muslims, whether it is the legislature, executive or the Judiciary and how can he be trusted with authority when he does not believe in the main sources of legislation in an Islamic state i.e. the Qur'an and the Sunnah.

Secondly, the Muslims who are entrusted with authority should be obedient to Allah (SWT) and His Messenger (SAWS).

> *These are the two conditions for following those entrusted with authority among the Muslims are recorded in a Hadith, narrated by Abdullah ibn Umar (RA) that the Messenger of Allah (SAWS) said: "The Muslim is required to obey in that which he likes or dislikes, unless he was commanded to sin. When he is commanded with sin, then there is no hearing or obeying."*

Another fundamental principle in Islam that the final authority rests with Allah (SWT) and His Messenger (SAW) alone.

If a dispute arises between the Muslims and those in authority i.e. the rulers, then they should refer to Allah (SWT) and His Messenger (SAW) i.e. the Qur'an and the Sunnah. Any system which does not refer its decisions to Qur'an and Sunnah as a final authority certainly is not a practicing Islamic State, rather a state that is slipping down the road to hypocrisy. This argument commands validity because those who do not refer to the Qur'an and Sunnah for adjudication, they do not believe (sincerely) in Allah (SWT), His Messenger (SAW) and the Last Day.

In fact following the Qur'an and the Sunnah is the only way to success in this world and in the Hereafter. There is either 'the righteous path' or 'the devious path'. Islam does not offer any compromise in the middle.

And Allah (SWT) Knows Best!

رسول اکرم ﷺ کی عظمت، آپ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

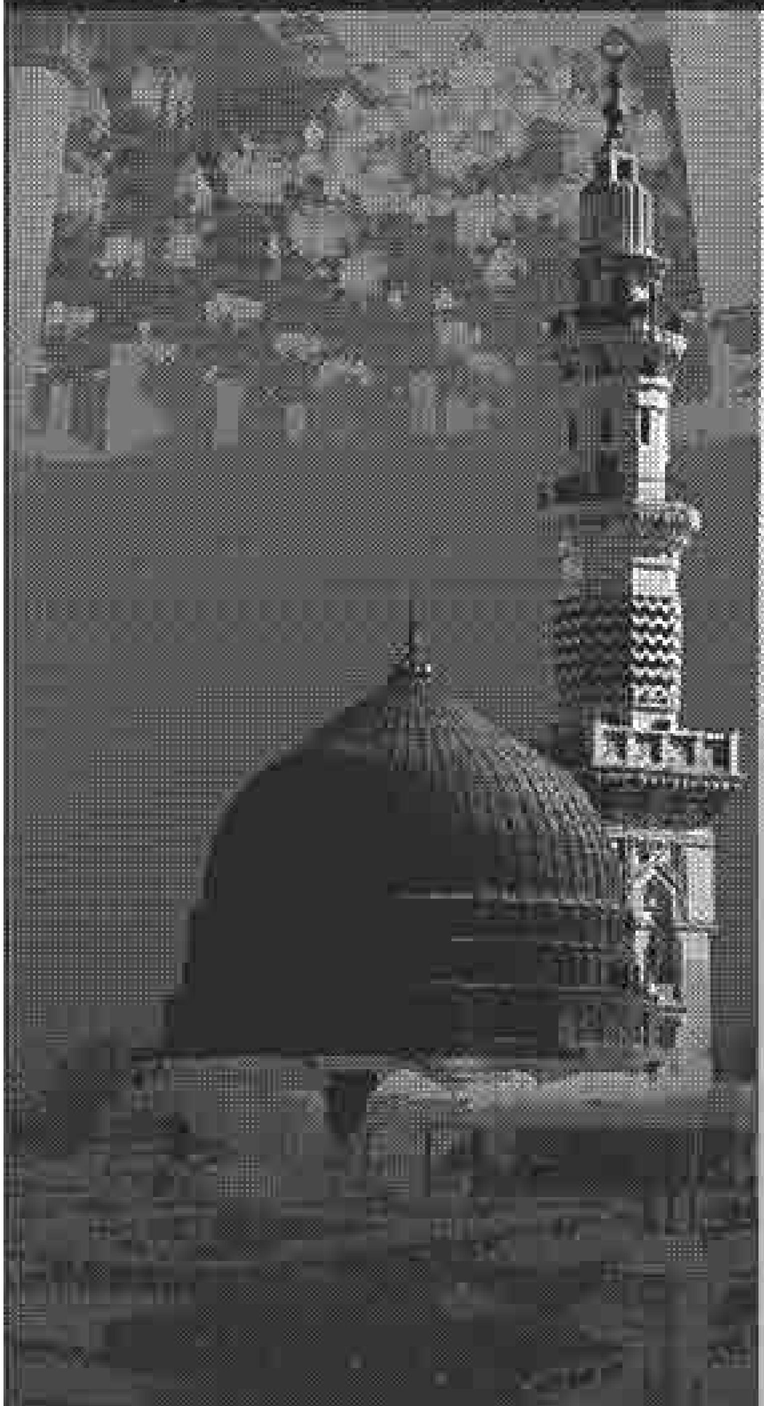

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):

امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):

امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501

maktaba@tanzeem.org

Quarterly **HIKMAT-E-QURAN** Lahore
July-Sep. 2014 Vol.33 No.3

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ــــ اور ــــ سرچشمۂ یقین

قرآن حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ــــ اور ــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ امت مسلمہ کے فہیم عنصر میں **تجدید ایمان** کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃ ثانیہ ــــ اور ــــ غلبۂ دین حق کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ